دشتِ وجود
حمیدہ شاہین
نگاہ بھر کے تری کائنات دیکھ سکوں
مرے وجود سے باہر کبھی اُچھال مجھے

حمیدہ شاہین ایک مرتبہ
ساتھ جہانِ سخن کی خوش آثار و خو
تشریف لا رہی ہیں۔ ان کے لیے
کیوں کہ انہوں نے بہت خاموشی
کاری اور تازہ خیالی کا ثبوت دیا ہے
غزلوں پر مشتمل یہ شعری
کے لحاظ سے بہت مختلف اسلوب اور
ہے۔ مصرعے کی تراش خراش اور ب
پڑھنے والے کو اپنی طرف کھینچتا ہے
شاعروں کی ایک پہچان یہ بھی کہی ج
لیے نئی زمینیں وضع کرتے ہیں۔ ''دش
ورق پر آپ کو اس کا ثبوت ملے گا۔ ت
ہوئے مصرعوں اور دلِ مبتلا کی تازہ بہ
جگمگ کرتی نظر آتی ہے۔

گو ''دستک'' اور ''دشتِ و
کا فاصلہ ہے لیکن اچھی کتاب چاہے
منزل میں شائع ہو' قارئین کو اپنی طرف
''دشتِ وجود'' اہل نقد و نظر میں یقیناً مو
گی کہ یہ جدید غزل کے ایک نئے مزاج

محترم جناب شارب ردولوی صاحب

کی خدمت میں

بصد خلوص و احترام

/

حمیدہ شاہین

15.7.06

دشتِ وجود

دشتِ وجود

حمیدہ شاہین

معیاری اُردو زُبان اور
دُرُست اِملا کا محرّک
اشاعتی ادارہ
MULTI MEDIA
AFFAIRS

اہتمام

پہلی اشاعت : جنوری ۲۰۰۶ء

سرورق : عبیداللہ

کمپوزنگ : الاشراق کمپوزنگ سنٹر، لاہور

مطبع : شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور

ناشر : ملٹی میڈیا افیئرز

قیمت : ۱۵۰ روپے

MULTI MEDIA AFFAIRS

21-Nand Street, Sham Nagar, Chowburji,
Lahore-54500, Pakistan.
Tel: (92-042) 7356454 Mobile: 0333-4222998
E-Mail:multimediaaffairs@hotmail.com

ضیاء کے

نام

جن کے ساتھ

میں دوسری زندگی جی رہی ہوں

وَالضُّحٰی ۝ وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی۝

قسم چڑھتے دن کی، اور رات کی جب وہ چھا جائے

شکر اس ذات کا جس نے رات میں ساتھ نہ چھوڑا اور روشن چمکیلی صبح عطا کی۔

میرا اثاثہ؟

وہ خوشبو —— جو آپی سلمیٰ کی یاد سے پھوٹتی ہے۔

وہ توانائی —— جو خون کے رشتوں اور دل کے ناطوں سے میسر ہے۔

سراج، ازکیٰ اور ساویہ —— جو آئندہ کی امید ہیں۔

نجیبہ —— جس کی وجہ سے دوستی پر اعتبار قائم ہے۔

بھائی جان امین —— جن کی شفقت میرا حوصلہ ہے۔

امی جان —— سر پر جن کی دعاؤں کا سائبان ہے۔

ضیاء الحسن —— جو طوفانوں میں میرا ہاتھ تھامے رکھتے ہیں۔

رَبَّنَا ارۡحَمۡ لَنَا

حمیدہ شاہین

فہرست

لطفِ سخن خداداداست

میری ناچیز رائے میں لطفِ سخن کے بغیر شعر اپنا کوئی جواز نہیں رکھتا۔ شعر سے میری مراد غزل ہی کا شعر ہے، کہ وہ بجائے خود ایک خود مختار اکائی کی حیثیت رکھتا ہے اور اُس کی پرکھ پہچان تنہا اُسی کے حوالے سے ہو سکتی ہے، جبکہ نظم کا معاملہ اس سے سراسر مختلف ہے کہ نظم کی تاثیر کا اندازہ اس کی جزئیات کے بجائے کُل ہی کے پیش نظر قائم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ غزل کو روزِ اول ہی سے اسی معیار پر پرکھا جاتا رہا ہے۔ نیز غزل کے شعر کا اپنا تقاضا بھی یہ ہے کہ یہ خوش مزہ ہو، ڈل نہ ہو۔ واضح رہے کہ موضوع کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ خود شاعر کی توفیق پر منحصر ہے کہ وہ خشک موضوع کے شعر میں بھی لطفِ سخن پیدا کرنے کا اہتمام کر سکے، جبکہ غزل میں اب موضوعات کی کوئی قید بھی نہیں رہی۔

غزل روزِ اول ہی سے اگرچہ نوع بہ نوع تجربات کی زد میں رہی ہے لیکن اس صفت یعنی لطفِ سخن کا لازمہ بہرصورت غزل کے ساتھ رہا ہے اور کسی بھی تجربے کو اس صفت سے بے نیاز ہونے کی سند نہیں دی جا سکی۔ فیض صاحب کہا کرتے تھے کہ ''شعر تو وہ ہے جو تازہ ہو'' جبکہ شعر کی یہ تازگی بھی لطفِ سخن ہی کی ایک صورت ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر شاعر حتی الوسع شعر کی ادائیگی کسی ممکنہ نئے زاویے ہی سے کرتا ہے کہ شعر میں ایک نیا پن، انفرادیت اور تازگی کا اہتمام کیا جا سکے، اور شاعر کے ذہن میں شعر کا جو سانچہ استوار ہو جاتا ہے وہ خود اس کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ معمولی اور روٹین کا شعر اس میں سے برآمد ہونے ہی نہ پائے اور

یہی وہ معیار ہے، جو شاعر اپنے لیے طے کر لیتا ہے۔ یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ حمیدہ شاہین نے کسی نئے پیرایہء اظہار کا تردد روا نہیں رکھا اور یہی بات ایک خاص اہمیت کی حامل بھی ہے کہ اس نے ان تکلفات کو بروئے کار نہ لاتے ہوئے بھی اپنے اشعار میں ایسا ایسا ذائقہ بھر دیا ہے کہ لطف سخن جس پر خود رشک کرتا نظر آتا ہے کیونکہ دستیاب اور موجود و میسر پیرایہء اظہار میں قابل لحاظ تعداد کے اندر عمدہ شعر نکال لینا کوئی معمولی بات نہیں ہے جبکہ اسی پیرایہء اظہار کے اپنے امکانات بظاہر ختم ہو چکے ہیں اور آگے جانے یا ادھر ادھر نکلنے کا کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا کیونکہ ہر شاعر کا دوسروں سے مختلف اور منفرد نظر آنا نہ صرف ایک قدرتی خواہش ہے بلکہ وہ اس کے لیے مقدور بھر تگ و دو بھی کرتا ہے لیکن اس جنگ میں وہ ہتھیار کون کون سے استعمال کرتا ہے یہ اس کی پسند اور توفیق پر منحصر ہوتا ہے۔

اس گئی گزری حالت میں بھی غزل کے اندر اتنے امکانات موجود ہیں کہ غزل کہنا ایک چیلنج بھی ہے اور صحیح معنوں میں ایک فضیلت بھی اور لطفِ سخن چونکہ خداداد چیز ہے شاید یہی وجہ ہے کہ حمیدہ شاہین نے اس خدائی عطیے میں کسی چیز کی ملاوٹ کرنے کی کوشش ہی نہیں کی اور اس کے بجائے اپنے شعری وجدان پر اعتماد کیا اور سر نیہوڑائے اپنے کام میں لگی رہی کہ جسے لطف سخن جیسی سوغات میسر آ جائے، اسے اور کیا چاہیے۔ غور کیا جائے تو یہی اس کی شاعری کا جوہر بھی ہے۔ نیز وہ اپنے موضوعات کہیں باہر سے نہیں لاتی، زیادہ انہی موضوعات پر اپنا جادو جگاتی ہے، جو اُسے کم و بیش گھر کی چار دیواری ہی میں مہیا ہو گئے ہیں، کیونکہ دل کی دنیا آباد ہو تو آپ کو کہیں دور جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اس کے کچھ اشعار دیکھئے:

مجھے کھیل شاید پلٹ جائے بازی
یہاں سے اُٹھا لے کہیں اور رکھ دے

پر سکوں سرسبز ساحل، نرم دھارے بیچ ہیں
میں کسی ایسے بھنور میں ہوں، کنارے بیچ ہیں

ہے کہیں کچھ بات ایسی جو سمجھ آتی نہیں
وہم و ایمان و گماں سارے کے سارے بیچ ہیں

ہے کہیں کوئی تعلق اور ہی انداز کا
جس کے آگے سب کے سب رشتے ہمارے بیچ ہیں

نگاہ بھر کے تری کائنات دیکھ سکوں
مرے وجود سے باہر کبھی اُچھال مجھے

اُس کی چاہتِ مرے پلڑے میں تو اب آئی ہے
پہلے جھکتا تھا مری سمت ترازو کم کم

جو کچھ کر سکتا ہے کر
فکر کیا کر کم سے کم

اُڑی وہ ریت کہ قائم رہے حواس کہاں
نجانے زخمی لبوں سے گری ہے پیاس کہاں

جھلملائی ہیں مجھے دیکھ کے آنکھیں اُس کی
روشنی سی کوئی دیوار کے اُس پار ہوئی

حادثے اپنے ہی اندر ہیں حمیدہ شاہیں
جب نیا موڑ مڑی، خود سے ہی دو چار ہوئی

بجھاتے جاؤ لاکھ ان خواہشوں کو
کہیں کوئی سرا جلتا رہے گا

منا لاؤ اسے شاہینؔ ورنہ
رہا جب تک جدا، جلتا رہے گا

مجھے پسِ پردہ کھینچنے میں
وہ پیش منظر سے ہٹ گیا ہے

یہ دل اُسے آسمان سمجھا
مگر وہ بادل تھا، چھٹ گیا ہے

یہ اشعار اس کتاب کے ابتدائی صفحات سے لیے گئے ہیں جن سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں بوقلمونی کس قدر ہے اور یہ شعر کتنی رسان سے کہے گئے ہیں۔ یہ اشعار ایسے ہیں، اور ایسے ابھی بہت سے اشعار اس مجموعے میں آپ کو موجود ملیں گے کہ ایک شاعر جن کی حسرت ہی کر سکتا ہے، اور جن پر یقیناً تاریخ میں زندہ بھی رہ سکتا ہے کہ اچھا اور عمدہ شعر نہ تو کسی کی اجارہ داری ہے اور نہ ہی اس کے لیے کسی پیپا کو ٹنے والے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس شاعری کا کھلے ذہن اور دلوں کی گہرائیوں سے استقبال کیا جائے گا۔

ظفر اقبال

لاہور

۲۲/اپریل ۲۰۰۵ء

دیباچہ

حمیدہ شاہین کی غزل اپنے قاری پر پہلا مگر قوی تاثر یہ طاری کرتی ہے کہ یہ شاعرہ کے تخلیقی وفور کی زائیدہ ہے۔ ہر چند تخلیقی وفور کی اصطلاح بے جا اور کثرت استعمال کی وجہ سے خاصی بدنام ہو چکی ہے اور اندیشہ ہے کہ اسے حمیدہ شاہین کے سلسلے میں بھی رسمی اور سرسری مفہوم میں نہ لیا جائے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ احساس کہیں نہیں ہوتا کہ یہ رسماً یا ارادتاً لکھی گئی شاعری ہے۔ رسمی شاعری میں عمومی طور پر مقبول مضامین یا شاعری کی روایت میں کثرت سے پیش ہونے والے موضوعات کو مانوس (اور مروج) اسالیب میں پیش کرنے کی غیر ضروری مشقت ہوتی ہے، جس کا کوئی شائبہ اس کتاب میں موجود نہیں۔ حمیدہ شاہین کی شاعری اپنے باذوق قاری کو یہ باور کراتی ہے کہ یہ شاعرہ کے باطنی مطالبات سے وجود پذیر ہوئی ہے اور باطنی مطالبات کا معاملہ یہ ہے کہ یہ یکسر واضح اور صریح ہوتے ہیں نہ پوری طرح معین۔ خود تخلیق کار اپنے باطنی مطالبات سے تخلیقی عمل کے دوران میں آگاہ ہوتا ہے۔ چناں چہ داخلی دباؤ کے تحت لکھی گئی شاعری کے موضوعات میں ایک طرف تنوع ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ موضوعات ایک مخصوص احساساتی ہالے کو اپنے چوگرد لیے ہوتے ہیں۔ یہ صورت حال رسمی شاعری میں ممکن نہیں ہوتی، صرف وہاں ممکن ہوتی ہے جہاں تخلیقی وفور ہو۔

حمیدہ شاہین کی غزل سے جس تخلیقی سیلف کا تصور ابھرتا ہے، اسے ''آزاد تخلیقی

سیلف'' سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔یعنی یہ سیلف Conditioned نہیں ہے۔ یہ ہر اس موضوع اور وقوعے سے اثر پذیر ہوتا ہے، جو رونما ہو رہا ہے، باہر اور اندر! کچھ سیلف ایسے ہوتے ہیں جو چند مخصوص و معین واقعات سے تحریک پاتے ہیں وگرنہ بیشتر حالات میں ان پر عالمِ غنودگی طاری رہتا ہے۔ جب کہ آزاد تخلیقی سیلف کو متنوع واقعات سے تحریک ملتی ہے۔ گویا یہ ہمہ دم بیدار اور حساس تخلیقی وجود ہے۔ بنا بریں حمیدہ شاہین کے یہاں اگر ہمارے عصر کے سماجی بحران، قومی بداعمالیوں، اجتماعی اخلاقی کج رویوں، انسانی رشتوں کی ناپائیداری ایسے مضامین موجود ہیں تو محبت کا موضوع، اپنے نسائی وجود کا عرفان اور اس کے ضمن میں مخصوص زاویہ نظر بھی ظاہر ہوا ہے۔

واضح رہے کہ شاعرہ آزاد تخلیقی سیلف کی حامل تو ہے مگر یہ سیلف Stray بہ ہر حال نہیں ہے کہ اس صورت میں تو سیلف کا تصور ہی باقی نہیں رہتا۔ دوسرے لفظوں میں ہر سیلف ادراک کی مخصوص طرزیں اور آگہی کے جداگانہ زاویے رکھتا ہے۔ اگر ادراک و آگہی کی طرزیں یک رُخی ہوں تو وہ ''منجمد سیلف'' کی علامت ہیں اور دوسری صورت میں'' آزاد سیلف'' کی اور جہاں ادراک و آگہی کی کوئی طرز ہی نہ ہو، صرف سنے سنائے قصے اور چبائے ہوئے نوالے ہوں، وہاں سیلف ہوتا ہی نہیں۔

حمیدہ شاہین کے شاعرانہ ادراک کا ایک اہم اور غالباً مرکزی زاویہ تانیثی ہے اور اس زاویے کو اختیار کرتے ہوئے بھی انھوں نے اپنی آزادی کو برقرار رکھا ہے۔ یعنی انھوں نے تانیث کے مقبول عام مفہوم (جو فیشن کا درجہ اختیار کر گیا ہے) کو نہیں اپنایا بلکہ ایک الگ راہ اختیار کی ہے۔ ایک اپنی راہ نکالنے کے لیے آزادانہ فیصلہ اور یہ فیصلہ کرنے کے لیے ایک مخصوص ترجیحاتی اور اقداری شعور اور باطنی استحکام درکار ہوتا ہے۔ حمیدہ شاہین کو یہ سب ودیعت ہے۔

تانیثی زاویہ ادراک بالعموم جنسی قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ جنسی کم اور صنفی زیادہ ہوتا ہے۔ اگر اس کی بنیاد جنسی قرار دی جائے تو اس کا اظہار فطرت کے خلاف مزاحمت کی صورت میں ہو کہ جنسی فرق فطرت کا پیدا کردہ ہے، جب کہ صنفی امتیاز ثقافت کا زائدہ ہے۔ اسی لیے تانیثی آگہی ثقافتی سطح پر کیے گئے فیصلوں اور ڈھالی گئی اقدار (جو دریدا کے لفظوں میں Phallogocentric ہیں) کی بنیادوں کو چیلنج کرتی ہے۔ تانیثیت پوری انسانی تاریخ اور ثقافت کا از سرِ نو تانیثی زاویے سے مطالعہ کرتی ہے (اسی لیے بعض لوگ اسے ''کلچرل پالیٹکس'' کا نام بھی دیتے ہیں اور اسے نظریہ ماننے سے انکار کرتے ہیں) تانیثیت کی رو سے ہمارے پاس تاریخ کا جو متن موجود ہے، اس کے مندرجات، اسلوب اور منہاج پر مرد اور مردانہ اقدار کا غلبہ ہے۔ عورت تاریخ میں یا تو موجود ہی نہیں یا پھر اسے کہیں حاشیے پر رکھا گیا ہے۔ تاریخ کے مرکز میں مرد اور مردانہ مقاصد اور اقدار ہیں۔ نسائیت کی جدید تحریک جب تاریخ کے مرکز میں عورت کو غیر موجود پاتی ہے تو وہ مرد کی ''تاریخی ناانصافی'' کے خلاف سراپا احتجاج ہوتی ہے۔ نیز موجودہ ثقافتی' اخلاقی اقدار اور ریاستی قوانین میں بھی عورت (اور ہمارے یہاں کی عورت بالخصوص) اپنے حاشیائی وجود کا ادراک کرتی ہے تو وہ صدائے احتجاج بلند کرتی ہے۔ تاریخ اور عہد موجود میں عورت اپنی ذات کا جو شعور حاصل کرتی ہے وہ ایک مکمل انسانی ذات نہیں ہے جس کا تصور اعلیٰ مذاہب' فلسفے اور نفسیات نے دیا ہے۔ بلکہ یہ ایسی ذات ہے جو کٹی پھٹی' مسخ شدہ ہے اور گمانوں' غلط اور ناروا تعبیروں کی دھند میں لپٹی اور سہمی سمٹی ہے۔ نسائی تحریک کی علم بردار شاعرات کے یہاں بالعموم یہی ذات ظاہر ہوئی ہے اس ذات کی آگہی میں احتجاج' مزاحمت اور مقاومت کی لے خاصی تیز ہے اور مردانہ سماج کے خلاف بغاوت و نفرت کا باقاعدہ اعلان تک موجود ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ حمیدہ شاہین کے یہاں نسائی ذات کی جو آگہی ظاہر ہوئی ہے اس میں احتجاج و بغاوت کا غلغلہ نہ ہونے کے برابر ہے مگر ایک تمکنت اور اعتماد بہ ہر حال موجود ہے۔ ایسا نہیں کہ یہ آگہی نامکمل ہے اصل یہ ہے کہ اس آگہی میں وہ مشرقیت موجود ہے جسے مغربی تانیثیت اور مغرب زدہ تانیثیت انفعال سے تعبیر کرے گی مگر جو بعض باتوں کو اقدار کا درجہ اور ان اقدار کو مسلمات کا درجہ دیتی ہے اور یہ اقدار/مسلّمات معاشرتی توازن کے لیے ناگزیر ہیں۔

اس ضمن میں یہ اشعار دیکھیے جن میں تانیثی آگہی پورے اعتماد اور تمکنت کے ساتھ ظاہر ہوئی ہے۔

مجھے اپنے بچاؤ کی لڑائی خود ہی لڑنی ہے
گواہوں میں نجانے کون سلطانی نکل آئے

آسمانوں کی دعوت پہ لبیک کہہ کر تو دیکھیں ذرا
اپنے پنجروں کو بھی ساتھ ہی لے اُڑیں، آؤ کچھ تو جتیں

میری حیثیت کو مان بھی، منوا بھی
کہاں کہاں کیا ہے میری اہمیت لکھ
میرے ہر خلیے پر تیرا حق تسلیم
اپنی ذات کو بھی میری ملکیت لکھ
اپنے تخت و تاج کا قصہ لکھ لیکن
کس مسند پر متمکن ہے، عورت لکھ
روپ، جوانی اور بدن کی باتیں چھوڑ
اپنے اور میرے رشتے کی عظمت لکھ

تانیثی آگہی کی کمان سے نکلنے والے بیشتر تیر مرد کو نشانہ بناتے ہیں' اُسے یہ باور کرانے کے لیے کہ اس نے تاریخ میں جو ڈھونگ اب تک رچایا ہے وہ اب نہیں چلے گا۔ چناں چہ یہ آگہی مرد سے برابری کے سلوک کا مطالبہ کرتی ہے اور ظاہر ہے اس مطالبے کے لیے وہ جرأت' اعتماد اور ظرف درکار ہے، جسے عموماً مرد سے مخصوص سمجھا گیا ہے۔ اردو کی بعض شاعرات کی آگہی اس اعتماد اور ظرف سے تہی ہے، لہٰذا انہوں نے مرد کے تخت و تاج کا تمسخر اُڑانے اور اس کی دھجیاں بکھیرنے میں سرگرمی دکھائی ہے، مگر حمیدہ شاہین کے یہاں ایک دوسرا رویہ ہے، جو مرد کے تخت و تاج اور اس کی حیثیت کو تسلیم کرتا ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس کی حیثیت کو بھی مانا جائے۔ مرد کا اگر کوئی تخت و تاج ہے تو عورت کی بھی کوئی مسند ہونی چاہیے۔ عورت کی مسند کو اب تک ''روپ' جوانی اور بدن'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی عورت کو محض سیکس سمبل سمجھا گیا ہے۔ حمیدہ شاہین کا تانیثی شعور اسے عورت کی مسند تسلیم کرنے سے انکار کرتا اور یہ اصرار کرتا ہے کہ مرد اور عورت رشتے کی عظمت میں **بندھے ہیں اور** یہ عظمت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب عورت کے ہر خلیے پر اپنا حق جتانے والا' اپنی ذات کو عورت کی ملکیت بھی تسلیم کرے۔ گویا بین السطور یہ بات کہی گئی ہے کہ مرد عورت کو ''کموڈیٹی'' کا درجہ دیتا ہے' اسے اپنی نجی ملکیت سمجھتا اور اسے صرف ہو جانے والی چیز گردانتا ہے۔ یعنی مرد کی نظر میں عورت روح اور سیلف سے تہی محض ایک بدن ہے، جس کے ہر خلیے کے حقوقِ ملکیت مرد نے اپنے نام کر رکھے ہیں، اور اس بدن کی قیمت بھی تب تک ہے، جب تک وہ جوان ہے۔ یہ شاعرہ باور کرانا چاہتی ہے کہ مرد نے عورت کے ضمن میں تمام تصورات یک طرفہ طور پر قایم کیے ہیں۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ عورت کے بارے میں تصورات تشکیل دیتے ہوئے عورت کے سیلف سے بھی رجوع کیا جائے۔ یوں حمیدہ شاہین کی غزل ایک ''نیا انسانی معاہدہ'' لکھتی نظر آتی ہے۔ پرانی باتوں کو بھول کر نئے عہد کا آغاز

کرنے کی تجویز دیتی ہے۔

آ نئے رُخ سے ملیں اور نیا عہد کریں
کون بھولے ہوئے پیمان کی تجدید کرے

تانیثی آگہی کی کمان کا ایک تیر خودنسائی سیف کی طرف بھی پلٹتا ہے۔عورت کو جب اپنے ساتھ روا رکھی جانے والی ناانصافی' عدم مساوات اور صنفی امتیاز کا ادراک ہوتا ہے تو اس کا نفسیاتی اثر تنہائی اور خود کلامی کی صورت میں بھی ہوتا ہے۔عورت جب تخلیقی سطح پر تنہائی کی زد میں آتی ہے تو وہ اپنی ذات کی گہری مگر یکتا تہوں سے آشنا ہوتی ہے جسے عورت کے سیلف کی ''وائلڈ زون'' کہا گیا ہے۔

پھنسی ہوں آپ اپنی گردشوں میں
مرے اندر کوئی ایسا بھنور ہے
اپنے اندر آگ جلا' خود کو پگھلا
پھر اپنی مرضی سے اپنے نقش بنا
بعد ازاں چاہے ہر چیز کے ساتھ الجھ
پہلے اپنے تانے بانے کو سلجھا
در، دریچے کی ضد میں نے کی ہی نہیں
سانس لینے کو کافی ہے روزن مجھے

آخری شعر تو صاف بتا رہا ہے کہ شاعرہ اپنے تخلیقی سفر میں اپنے سیلف کی وائلڈ زون کو دریافت کرنے میں کامیاب ہوگئی ہیں۔روزن' وائلڈ زون ہی ہے۔اگر ذات کے اندر یہ روزن مل جائے یا کھل جائے تو آدمی بہت سی چیزوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔اس کی شخصیت میں اعتماد اور توازن پیدا ہو جاتا ہے۔حمیدہ شاہین کے یہاں خود کلامی کا جو انداز ظاہر ہوا ہے اس میں بھی شکستگی ذات کے اعلان سے زیادہ تعمیر ذات کا عزم ہے۔تانیثی

آ گہی میں بالعموم عورت اور مرد کے رشتے پر توجہ دی گئی ہے اور اس رشتے کو بھی حوا اور آدم کا رشتہ سمجھا گیا ہے، جو دراصل جنسی رشتہ ہے۔ اس طور تانیثی مفکرین (جو دراصل عورتیں ہیں اور جن میں ورجینیا وولف، سیمون دی بوار، کیٹ ملت، ایلین شو والٹر وغیرہم شامل ہیں) نے جہاں ایک طرف جنسی تفریق کو ہوا دی ہے وہاں مرد اور مردانہ اوصاف کو بہ طور ماڈل پیش نظر رکھا ہے اور اس کے حصول کی تمنا اور کوشش کی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ عورت کے بعض اہم ترین امتیازات (جو صرف عورت سے مخصوص ہیں) نظر انداز ہو گئے ہیں، ان میں اہم ترین امتیاز ممتا ہے۔ ماں بننا صرف اور صرف عورت سے مخصوص ہے۔ جنسی تولیدی عمل میں ہر چند مرد کا بھی کردار ہے، مگر وہ عورت کے کردار کے مقابلے میں ثانوی اور وقتی ہے۔ عورت ماں بننے کے جس زبردست تجربے سے گزرتی ہے، مرد اس تجربے کی ہلکی سی آنچ محسوس کرنے سے بھی قاصر ہے، تاہم مرد نے عورت کے اس وصف کو خراجِ تحسین پیش کرنے میں کبھی بخل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ نسائیت کی علمبردار بیشتر عورتوں نے نسائی سیلف کی تشکیل میں ممتا کو خارج رکھا ہے، مگر حمیدہ شاہین کے یہاں ممتا ان کے نسائی سیلف کے غالب پہلو کے طور پر ظاہر ہوئی ہے۔

میں اپنی چادر کے کتنے ٹکڑے کروں گی آخر
گلی گلی میری بیٹیاں ننگے سر کھڑی ہیں
اس گھڑی ماں نجانے کیا کر دے
جب بلکنے لگیں جگر پارے
زندگی بھر نہ جس نے لب کھولے
اپنی بیٹی کے واسطے بولی

توقع ہے کہ یہ مجموعہ اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے اہلِ نظر میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور اردو شاعری میں اہم اضافہ تصور کیا جائے گا۔

ناصر عباس نیر
شعبہ اردو، جامعہ پنجاب، لاہور

⊙

سارا گلشن جو مہکا دے
مجھ کو ایسا پھول بنا دے

کھنکے نام تمھارا لے کر
ہاتھ میں وہ کنگن پہنا دے

اب تو گھٹنے ٹیک دیے ہیں
اب تو بگڑی بات بنا دے

زوح میں ایک دھندلکا سا ہے
فکر و نظر میں دیے جلا دے

دیواریں در بنتی جائیں
ایسا کوئی اسم سکھا دے

پیار کی ایسی بارش برسے
نفرت کے انگار بجھا دے

اپنی ذات سے باہر نکلوں
مجھ کو میرا راز بتا دے

⊙

ذات میں اک دُرِّ نایاب
فیض میں مہرِ عالم تاب

میرے نبیؐ پر سجتے ہیں
کامل و اکمل کے القاب

آپؐ کی ذات سمندر ہے
باقی سب دریا پایاب

آپؐ نے دُنیا کو بخشا
ایک نئی دنیا کا خواب

انساں کو تعلیم کیا
شکر سبق اور صبر نصاب

توڑی نفرت کی دیوار
بند کیے وحشت کے باب

آپؐ خرد کا سرچشمہ
پیاسے ہوتے ہیں سیراب

آپؐ تمنا نبیوں کی
آپؐ دُعاؤں کا ایجاب

اسمِ محمدؐ رکھتا ہے
قلب و فکر و نظر شاداب

لفظ مرے سجدے میں ہیں
نعتِ محمدؐ ہے محراب

کوئی خطّۂ دل نشیں اور رکھ دے
ہمارے لیے اِک زمیں اور رکھ دے

مجھے کھیل! شاید پلٹ جائے بازی
یہاں سے اُٹھا لے، کہیں اور رکھ دے

مِرے کاسۂ دل میں ربِّ تخیل
گماں تو بہت ہیں، یقیں اور رکھ دے

وفا کے ترازو میں سب کچھ ہے لیکن
ذرا حوصلہ کر، جبیں اور رکھ دے

مرے دل میں کیا کیا نہیں تو نے رکھا
بس اک اپنا اسمِ حسیں اور رکھ دے

جہنم بہت ہیں ترے اس جہاں میں
زمیں پر بہشتِ بریں اور رکھ دے

مقدر میں فوز و فلاحِ دو عالم
شہنشاہِ دنیا و دیں اور رکھ دے

یہ بارِ تمنا و کربِ محبت
ہے دل پر ازل سے، یہیں اور رکھ دے

⊙

پرسکوں سرسبز ساحل، نرم دھارے ہیچ ہیں
میں کسی ایسے بھنور میں ہوں، کنارے ہیچ ہیں

ہے کہیں کچھ بات ایسی جو سمجھ آتی نہیں
وہم و ایمان و گماں سارے کے سارے ہیچ ہیں

ابنِ آدم پر وہ لمحے آ چکے ہیں بارہا
جتنے دن آدم نے جنت میں گزارے، ہیچ ہیں

کاروبارِ عشق میں ایسے بھی سودے ہیں جہاں
فائدوں کے گوشوارے اور خسارے ہیچ ہیں

ہے کہیں کوئی تعلق اور ہی انداز کا
جس کے آگے سب کے سب رشتے ہمارے ہیچ ہیں

جانے کیا دیکھا کہ آنکھیں ہیں مسلسل وجد میں
کہہ رہی ہے ہر نظر، سارے نظارے ہیچ ہیں

پھوٹتی ہے جب بدن کے سب مساموں سے تڑپ
تب فراق و وصل کے سب استعارے ہیچ ہیں

صید گیرِ خوش خصال و خوش ادا تیری قسم!
لذتِ پرواز میں جو دن گزارے، ہیچ ہیں

ہو نظر کے سامنے جب ذرّۂ خاکِ وطن
ضوفشاں مہتاب اور تاباں ستارے ہیچ ہیں

اپنی مٹی پر کھڑے ہونا حمیدؔہ سیکھ لو
پیر جم جائیں تو پھر سارے سہارے ہیچ ہیں

⊙

بدن کی بھول بھلیّوں سے اب نکال مجھے
یہ قیدِ خاک تو کرنے لگی نڈھال مجھے

بگاڑ دے گا زمانہ نگار و نقش مِرے
اگر میں تیری امانت ہوں تو سنبھال مجھے

نجانے کس کے خیالوں میں اس طرح گم ہوں
کہ بھول کر نہیں آتا مِرا خیال مجھے

ترے جمال کو منزل نہ گر کیا ہوتا
تمام عمر نہ ملتی رہِ کمال مجھے

نہ راستوں کا پتا ہے، نہ منزلوں کی خبر
کہاں لیے چلے جاتے ہیں ماہ و سال مجھے

نگاہ بھر کے تری کائنات دیکھ سکوں
مِرے وجود سے باہر کبھی اُچھال مجھے

ترا حوالہ مجھے معتبر کیے جائے
ہر اِک نصاب میں رکھے ترا سوال مجھے

اسیر ہوں میں یہ احساس ہو رہا ہے مگر
دکھائی دیتا نہیں ہے کسی کا جال مجھے

میں آئنوں کے تکلف میں آج تک نہ پڑی
تری نگاہ بتاتی ہے میرا حال مجھے

⊙

کچھ ریگِ فسوں چشمِ تمنا میں سمو لوں
میں دشتِ تحیّر سے پلٹ آؤں تو بولوں

یہ پیاس کہیں سے تو بجھانی ہی پڑے گی
منقارِ جنوں چشمۂ حیرت میں ڈبو لوں

اے موجۂ شش رنگ! ترا جانا تو ٹھہرا
کچھ تُو بھی ٹھہر، اپنے حواسوں کو میں دھو لوں

تھاموں گی ترے ساتھ یہ چکرائی زمیں بھی
پہلے یہ بگولے تو سمٰوات سے کھولوں

ہیں طشتِ تخیل میں کئی پھول سے لمحے
بس اتنی سی مہلت کہ رگِ جاں میں پرولوں

اصوات کا صحرائے رواں ہے مرے آگے
آئے جو تری لہرِ سماعت کو بھگو لوں

جانا ہے ترے دیس تو جو زادِ سفر ہے
اسبابِ سفر میں وہ ملاقات ٹٹولوں

آنگن کے شجر! سر مرا سینے سے لگا لے
آنکھوں کا یہ گل رنگ ہری شاخ پہ رولوں

خوابوں کا گھڑا بھر کے ٹکا رکھا ہے سر پر
کانٹوں پہ چلوں اور کسی گام نہ ڈولوں

اک گیت سنا آج مہکتی ہوئی مٹی
کچھ دیر تری ریشمی آغوش میں سو لوں

⦿

خرد کے ڈھیر سے کوئی تو نادانی نکل آئے
انہی دشواریوں کے بیچ آسانی نکل آئے

یہی صورت رہی حالات کی تو عین ممکن ہے
کسی ایمان کو کھولوں تو حیرانی نکل آئے

وہ جس نے اپنی ساری عمر سجدے میں گزاری ہو
کہاں جائے اگر اس کا خدا فانی نکل آئے

مجھے اپنے بچاؤ کی لڑائی خود ہی لڑنی ہے
گواہوں میں نجانے کون سلطانی نکل آئے

عصائے حرف کی ضربیں مسلسل آزمانی ہیں
کسی پتھر سے ممکن ہے کبھی پانی نکل آئے

اگر معلوم ہو جائے پسِ دیوار کا عالم
سلاخیں توڑ کر دنیا کا زندانی نکل آئے

فضائیں مرتعش ہیں ایک چرواہے کے گیتوں سے
کوئی نغمہ انہی گیتوں میں طوفانی نکل آئے

میں اس اُمّید پر پھرتی ہوں حیوانوں کی بستی میں
کوئی چہرہ کبھی ان میں بھی انسانی نکل آئے

⊙

اُس کے جذبات کی خوشبو اُڑی ہر سو کم کم
عمر بھر مجھ کو ہی خود پر رہا قابو کم کم

میں سدا اپنی نگاہوں کے شکنجے میں رہی
اُس نے کھینچا مری کوتاہی پہ ابرو کم کم

اُس نے مردوں کی روایت سے بغاوت کی ہے
رنگ آنکھوں کو زیادہ دیئے آنسو کم کم

میں نے صبر اور محبت سے اسے جیتا ہے
ورنہ جھک جانے کی اُس شخص میں تھی خو کم کم

میں ترے شانہ بشانہ تو کھڑی ہوں لیکن
یوں میسّر رہا مجھ کو ترا پہلو کم کم

رات بھر راستہ دیکھا ہے صبا کا میں نے
اب جو آئی ہے تو لائی تری خوشبو کم کم

وہ کسی کام میں اُلجھا ہے بہت' یا شاید
اب اثر کرتا ہے برسات کا جادو کم کم

اس کی چاہت مرے پلڑے میں تو اب آئی ہے
پہلے جھکتا تھا مری سمت ترازو کم کم

⦿

زندگی کو ذرا سا تو ہم بھی چکھیں، آؤ کچھ تو جئیں
ذائقے آب و آتش کے ہم پر کھلیں، آؤ کچھ تو جئیں

آسمانوں کی دعوت پہ لبیک کہہ کر تو دیکھیں ذرا
اپنے پنجروں کو بھی ساتھ ہی لے اُڑیں، آؤ کچھ تو جئیں

وقت کی قید میں چپ رہیں گے تو مردہ گنے جائیں گے
اپنی زنجیر کی ہر کڑی میں بجیں، آؤ کچھ تو جئیں

کیوں اندھیرے کی باہوں میں سمٹے رہیں، شب سے چمٹے رہیں
شہر میں کچھ دیے ہم بھی روشن کریں، آؤ کچھ تو جئیں

ہم فرائض کی بھٹی کا ایندھن سہی، سوختہ تن سہی
اپنی مرضی سے کچھ دیر تو جل بجھیں، آؤ کچھ تو جئیں

نوچ کر پھینک دیں آخری صف کی یہ بے ثمر زندگی
چل ہراول میں شانہ بشانہ لڑیں، آؤ کچھ تو جئیں

روٹھتی رُت سے ہم اپنے حصے کی ہریالیاں چھین لیں
موت برحق مگر، بے ثمر کیوں مریں، آؤ کچھ تو جئیں

روز تیّار ہو کر الگ راستوں پر چلے جاتے ہیں
آج اک دوسرے کے لیے ہم سجیں، آؤ کچھ تو جئیں

چاندنی میں سمندر کنارے چلیں، اور لہریں گنیں
صبح دم گل کی سرگوشیاں بھی سنیں، آؤ کچھ تو جئیں

بھینچ کر چشم و لب، دن گزرتے ہیں کب، آؤ شاہینؔ اب
ڈھیروں باتیں کریں، کھلکھلا کر ہنسیں، آؤ کچھ تو جئیں

⊙

آج مِرے ہاتھوں پر اپنی قسمت لکھ
دونوں کی تقدیر میں کیا ہے نسبت، لکھ

اپنے خانے میں لکھ لے دولت، شہرت
میرے نام کے ہر صفحے پر عزت لکھ

میری حیثیت کو مان بھی، منوا بھی
کہاں کہاں، کیا ہے میری اہمیت لکھ

میرے ہر خُلیے پر تیرا حق تسلیم
اپنی ذات کو بھی میری ملکیت لکھ

تیری آنکھ مری تقدیس کی شاہد ہے
بابِ حسن تو لکھا، بابِ عصمت لکھ

اپنے تخت و تاج کا قصہ لکھ لیکن
کس مسند پر متمکن ہے عورت، لکھ

اپنی تحریریں خود تک محدود نہ کر
باپ کا ورثہ لکھ، ماں کی تربیت لکھ

رُوپ، جوانی اور بدن کی باتیں چھوڑ
اپنے اور میرے رشتے کی عظمت لکھ

⦿

اے شوخیِ رفتار! سنبھلنا تو پڑے گا
ہے راستہ پُرخار، گزرنا تو پڑے گا

دہکیں گے سرِ دشتِ طلب سیکڑوں سورج
اس برف کو اک بار پگھلنا تو پڑے گا

جب تک نہ ہویدا ہو کوئی مہرِ درخشاں
مہتابِ شبِ تار! چمکنا تو پڑے گا

پھیلے ہوئے ہاتھوں کی طرف ایک نظر دیکھ
اے ابرِ گہر بار! برسنا تو پڑے گا

جس شخص کو منزل نظر آتی ہے نہ رستہ
وہ قافلہ سالار بدلنا تو پڑے گا

رُکتی نہیں آنچل میں کبھی پیار کی خوشبو
ہے وجد میں گلزار، مہکنا تو پڑے گا

جب کوئی دل آویز مہک روکنے آئی
اے صاعقہ رفتار! ٹھہرنا تو پڑے گا

ہو لاکھ تمنائے سفر دل میں مگر جب
تھک جائے گا رہوار، اُترنا تو پڑے گا

اے ساغرِ ہستی! ذرا ہشیار، خبردار!
ہے رقص میں دربار، چھلکنا تو پڑے گا

آئے گی عقب سے جو صدائے دلِ شاہیںؔ
اے یارِ طرح دار! پلٹنا تو پڑے گا

⊙

اُڑی وہ ریت کہ قائم رہے حواس کہاں
نجانے زخمی لبوں سے گری ہے پیاس کہاں

کدھر تلاش کروں اعتبارِ چشم و خرد
طلب کو لے گئے بہلا کے التباس کہاں

چلی وہ بادِ جنوں کچھ سمجھ نہیں آئی
اڑے کدھر کو دلائل، گئے قیاس کہاں

میں کس کے ساتھ کروں کاروبارِ امن وسکوں
زرِ خلوص و وفا ہے کسی کے پاس کہاں

جھلک میں اور نظارے میں فرق ہوتا ہے
مزہ کہانی کا دیتا ہے اقتباس کہاں

ہمارے سر سے نہ ہٹ جائے موج میں آ کر
فلک چلا ہے پہن کر دھنک لباس کہاں

مزاج اپنے ستارے کا میں سمجھ پاتی
مِری نگاہ تھی ایسی فلک شناس کہاں

وہ میرے صحن میں آیا کرے صبا کی طرح
یہ برگ ریز ہوائیں مجھے ہیں راس کہاں

جو تلخیوں سے بچاتی رہی مجھے اب تک
چلی گئی مِرے بچپن کی وہ مٹھاس کہاں

غمِ حوادثِ دنیا کو قہقہوں میں اُڑا
ذرا سی بات پہ ہو کر چلا اُداس کہاں

⊙

غلطی ایک ہی بے ساختہ ہر بار ہوئی
سُوت کی انٹی پہ یوسف کی خریدار ہوئی

زندگی رنگِ عطا دیکھ کے ایسا بہکی
مل گیا رزق تو رازق کی طلبگار ہوئی

اہلِ دل نکلے چمک کر یدِ بیضا کی طرح
زندگی رات سے جب برسرِ پیکار ہوئی

فرطِ حیرت سے بدن گنگ ہے، جاں لب بستہ
آپ کو جیت لیا، آپ کی حقدار ہوئی

جھلملائی ہیں مجھے دیکھ کے آنکھیں اُس کی
روشنی سی کوئی دیوار کے اُس پار ہوئی

میں چہکتی ہوئی پھرتی کسی چڑیا کی طرح
دیکھ کر رنگِ فضا صورتِ دیوار ہوئی

اس کا پیغام تو آتا تھا بشارت کی طرح
کیا وہ وارفتگی و نرمیٔ گفتار ہوئی

زندگی ہو گئی سلوٹ زدہ ملبوس مگر
اس کے ماتھے کی شکن پھر بھی نہ ہموار ہوئی

جو بھی اُلجھن تھی وہ مل بیٹھ کے سلجھا لیتے
بات آپس کی تھی جو طعنۂ اغیار ہوئی

حادثے اپنے ہی اندر ہیں حمیدہ شاہیںؔ
جب نیا موڑ مڑی خود سے ہی دو چار ہوئی

⊙

اپنے اندر آگ جلا، خود کو پگھلا
پھر اپنی مرضی سے اپنے نقش بنا

جھومیں موجودات، کوئی لَے ایسی ہو
وجد میں آ جائیں آفاق، وہ نغمہ گا

سرافرازی میں بھی خاک نشینی کر
پھر چاہے اپنے ماتھے پر چاند سجا

پھولوں کو اپنی شاخوں پر کھلنے دے
ہو جائے گا موسم کا ہر قرض ادا

بعد ازاں چاہے ہر چیز کے ساتھ اُلجھ
پہلے اپنے تانے بانے کو سلجھا

حال میں زندہ رہنا مشکل ہو جائے
اپنے آپ کو ماضی میں یوں مت اُلجھا

ماں بن کر معلوم ہوا' کیا ہوتی ہے
ماں کے دل کی وسعت' چاہت اور دُعا

لوگوں کے دل میں گھر کرنے کا گر سیکھ
جو تاراج نہ ہو پائے وہ شہر بسا

لطف نہیں شاہینؔ پرائے موسم میں
اپنا رنگ جما' اپنا ماحول بنا

⦿

کیسی دستک پر کھلتا ہے دروازہ
سائل کو بھی کچھ تو ہوگا اندازہ

جس نے سب کو ورق ورق تصنیف کیا
نام اسی کا ہو سکتا ہے شیرازہ

لوگ طوافِ دنیا میں گم رہتے ہیں
یوں مسحور کیے رکھتی ہے طنازہ

''جاگتے رہنا'' سن کر جاگتی رہتی ہوں
ہے گم صم راتوں کا حسن یہ آوازہ

چھیڑی اس نے بات، مہک اُٹھی محفل
لہجہ نرم صبا سا، لفظ گلِ تازہ

کچھ انسان تو دنیا کو انعام ہوئے
کچھ ہوتے ہیں کفّارہ، کچھ خمیازہ

اپنی ذات کے ہار سنگھار سے باہر آ
وقت کے چہرے پر شاہینؔ لگا غازہ

⊙

کرتی ہے کم ذات چھنن چھن
پاؤں میں ہے اک مات چھنن چھن

چرخے میں گھنگھرو بندھوا لے
اپنے آپ کو کات چھنن چھن

کھن کھن بولے بانہہ میں کنگن
چوڑی والے ہات چھنن چھن

چھم چھم کرتی اُتریں بوندیں
برسی ہے برسات چھنن چھن

تاروں کی پازیبیں باندھے
ناچ رہی ہے رات چھنن چھن

جال بھی ہو سکتے ہیں نغمے
ہو سکتی ہے گھات چھنن چھن

فرشِ بدن پر دل کی دھڑکن
کرتی ہے دن رات چھنن چھن

لفظ دھمالیں ڈال رہے ہیں
ہو گئی ساری بات چھنن چھن

⦿

وہ ہے صیدِ انا، جلتا رہے گا
کہیں تنہا پڑا جلتا رہے گا

بجھاتے جاؤ لاکھ ان خواہشوں کو
کہیں کوئی سِرا جلتا رہے گا

فزوں اس کی ضیا ہوتی رہے گی
مِرے دل کا دِیا جلتا رہے گا

رہے گی روشنی راہِ طلب میں
مِرا نقشِ وفا جلتا رہے گا

ہوا کو چھو رہی ہے لو دیے کی
یہی لمسِ ہوا جلتا رہے گا

یہ شہرِ جاں کوئی آتش کدہ ہے
بہ فیضِ غم سدا جلتا رہے گا

جہانِ بے ہنر اہلِ ہنر سے
ہمیشہ ہی جلا، جلتا رہے گا

ہم اس کی چھاؤں میں دم لے چلے ہیں
شجر یوں ہی کھڑا جلتا رہے گا

سفر میں حوصلے بجھنے لگے تو
کوئی حرفِ دُعا جلتا رہے گا

منا لاؤ اسے شاہینؔ ورنہ
رہا جب تک جدا، جلتا رہے گا

⊙

مجھے سب علم ہے، ساری خبر ہے
یہ کائنات میری رہگذر ہے

پھنسی ہوں آپ اپنی گردشوں میں
مرے اندر کوئی ایسا بھنور ہے

میں اپنے آپ سے نکلوں تو دیکھوں
مرے رستے ہیں کیا، منزل کدھر ہے

کوئی کنکر گرا ہے صحنِ دل میں
تمہارے گھر پہ غیروں کی نظر ہے

مجھے وہ مجھ سے بڑھ کر جانتا ہے
وہ میرے حال سے کب بے خبر ہے

سخاوت میں وہ بالا تر ہے شک سے
ابھی میری طلب میں ہی کسر ہے

مری جھولی میں ہیں ماں کی دُعائیں
یہی میرا اثاثہ ہے، سپر ہے

مری آنکھوں میں اُترو اور دیکھو
یہ کتنے دل نشیں خوابوں کا گھر ہے

مجھے حاصل ہے چڑیوں کی رفاقت
مرے آنگن میں اک بوڑھا شجر ہے

وہ میرے ساتھ دھیما ہو رہا ہے
مری نیچی نگاہوں کا اثر ہے

⊙

جڑوں سے جو پیڑ کٹ گیا ہے
حساب اس کا نمٹ گیا ہے

اب آئے ہو جب تمہارا ورثہ
نجانے کس کس میں بٹ گیا ہے

مجھے پسِ پردہ کھینچنے میں
وہ پیش منظر سے ہٹ گیا ہے

میں اُس کی حد میں چلی گئی تھی
وہ میرا نقشہ پلٹ گیا ہے

لڑائی اس نے لڑی نہیں تھی
غنیمتوں پر جو ڈٹ گیا ہے

میں ایک مشکل سبق تھی لیکن
الف سے یے تک وہ رَٹ گیا ہے

یہ دل اُسے آسمان سمجھا
مگر وہ بادل تھا، چھٹ گیا ہے

میں جب کبھی ہارنے پہ آئی
بساط ہی وہ اُلٹ گیا ہے

حمیدہ شاہیںؔ اب نہ بجھنا
ہواؤں کا زور گھٹ گیا ہے

⦿

آئینۂ الفاظ میں ہیں دل کے خدوخال
گُل ہائے معانی میں مری گِل کے خدوخال

رستہ ہے کہ ٹوٹا ہوا آئینہ بچھا ہے
ذرّوں میں نظر آتے ہیں منزل کے خدوخال

حیرت ہے پسِ پردۂ خوں اور کُھدے ہیں
پتھرائی ہوئی آنکھ میں قاتل کے خدوخال

جذبات کی اک گرد تھی صحرائے طلب میں
بیٹھی ہے تو اُٹھّے کسی محمل کے خدوخال

اِک ضبط کی شدت سے سلگتی ہوئی آنکھیں
اِک آنچ سے پگھلے ہوئے سائل کے خدوخال

کھلتا نہیں، اپنا ہے کہ دشمن کا سپاہی
ہیں درد میں سمٹے ہوئے بسمل کے خدوخال

اللہ رے عشاق کی باریک نگاہی
کس شوق سے کرتے ہیں بیاں تل کے خدوخال

مدت سے حمیدؔہ ہے بھنور سے مِرا ناطہ
ناؤ مِری بھولی نہیں ساحل کے خدوخال

⦿

ایک دن تو پڑھ رہی ہو گی صلوٰۃِ آبرو
زندگی کرتی رہے گی خون سے کب تک وضو

ہیں یہ تارے اور سیارے فقط گردِ سفر
ہم کسی کی جستجو میں پھر رہے ہیں کو بہ کو

ہم تو اس کی کھوج کے نشے میں ہی سرشار ہیں
کیا کریں گے گر اچانک آ گیا وہ رُوبرو

ہم نے روحِ ذرّۂ بے تاب کا سودا کیا
اور پھر اُس نے ہمیں کیسے رُلایا ہے لہو

ہو گئی مجروح اس معصوم کی ہر آرزو
چار دن میں رہ گئی کمھلا کے ارضِ خوب رو

چلتے جانا ہے برہنہ پا جھلستی ریت پر
گرم آندھی شائیں شائیں کر رہی ہے چار سو

ساعتِ بار آوری تو آئے گی لاریب فیہ
اپنے اپنے دامنوں کے چھید کر رکھنا رفو

یوں بدلتا ہے مقدر دیکھ کالی رات کو
اوڑھنی پر ہیں ستارے چاند ہے زیبِ گلو

ماہ و انجم سے تعلق دوستی خورشید سے
کی تو ہے مقدور بھر شاہیںؔ ضیا کی جستجو

عشق و مستی کی جب بھی کوئی بات نکلی، سدا چپ رہا
تذکرے جب بھی اہلِ وفا کے ہوئے، فلسفہ چپ رہا

روح امرِ الٰہی ہے، اتنا صحیفوں میں تحریر ہے
اس سے آگے کی تفسیر ہم کیا کریں، جب خدا چپ رہا

عرصۂ جسم میں صور پھونکا گیا روح کے نام پر
خاک میں کیوں یہ ہلچل مچائی گئی، فیصلہ چپ رہا

بزمِ موجود میں زندگی اور بدن نے وہ غوغا کیا
غیر موجود و موہوم و معدوم کا مسئلہ چپ رہا

طاقِ زرّیں میں ضو پاشیوں کے لیے سارے تیار تھے
جب سرِ راہ جلنے کی بات آئی تو ہر دیا چپ رہا

رات دن کچھ مسافر یہاں سے کہیں اور جاتے تو ہیں
وہ گئے کون سی منزلوں کی طرف، نقشِ پا چپ رہا

نام مقتول و قاتل کا سارے قبیلے کو معلوم تھا
کس لیے خونِ ناحق بہایا گیا، خوں بہا چپ رہا

خوں کے چھینٹوں سے گل رنگ تھی رہگذر، سب نے دیکھا مگر
کوئی چل کر گیا یا گھسیٹا گیا، راستہ چپ رہا

جانے کیوں وہ جواز اپنے افعال کا پیش کرتا نہیں
لاکھ ترکِ تعلق کا پوچھا سبب، بے وفا چپ رہا

بے تکلف نہیں ہو سکا مجھ سے شاہیںؔ چہرہ مرا
جب بھی نظریں ملیں، دوستانہ ہنسی ہنس دیا، چپ رہا

⊙

زمین زاد اب یہاں بنیں گے شاہ دیکھنا
چلیں گی آندھیاں تو پھر عروجِ کاہ دیکھنا

کہاں کہاں پہ ہو رہا ہے کیا تباہ دیکھنا
مِرے خدا زمین کو بھی اک نگاہ دیکھنا

یہ خشک لب، کھلے دہن، کوئی مذاق تو نہیں
لگے گی اب سمندروں کو ان کی آہ دیکھنا

جو ماہ رو لہو لہو پڑے ہیں ان پہ اک نظر!
وہ گل بدن جو جل کے ہو گئے سیاہ دیکھنا

ہمیں اُڑان کا شعور آ گیا تو ایک دن
ہمارے ہوں گے سب نجوم و مہر و ماہ دیکھنا

مرے یہ خواب صف بہ صف کھڑے ہیں کب سے منتظر
انہیں بھی اک نگاہ میرے کج کلاہ دیکھنا

جنہیں ہماری سمت دیکھنے کی فرصتیں نہیں
ہمارا کام ان کے خواب ان کی راہ دیکھنا

خبر نہیں یہ التفات ہے کہ بے نیازیاں
کہ گاہ منہ کو پھیر لینا اور گاہ دیکھنا

⊙

دیکھنا کچھ ہے، دیکھتے کچھ ہیں
مسئلے کچھ ہیں، سوچتے کچھ ہیں

ہم دعاؤں میں بھی نہیں مخلص
چاہتے کیا ہیں، مانگتے کچھ ہیں

کون سمجھائے رہنماؤں کو
منزلیں کچھ ہیں، راستے کچھ ہیں

علم کچھ بھی نہیں کسی کو یہاں
سب کو دعویٰ ہے، جانتے کچھ ہیں

ہر دہن میں زباں نہیں ہوتی
دیکھتے سب ہیں، بولتے کچھ ہیں

درد کوئی ہے اور دوا کوئی
کھویا کچھ اور، ڈھونڈتے کچھ ہیں

علم و ایمان میں تضاد رکھا
جانتے کچھ ہیں، مانتے کچھ ہیں

صبح کو جیسے گھر سے نکلے تھے
شام کو ویسے لوٹتے کچھ ہیں

سب کو آتا ہے رُوٹھ کر جانا
جانے والوں کو روکتے کچھ ہیں

⊙

ہوائے نغمہ و گل کب تلک رہے گی مجھے
ردائے دانش و برہان بھی سجے گی مجھے

میں اپنے آپ کو ترتیب دے رہی ہوں ابھی
کبھی جہاں سے کہانی مری کہے گی مجھے

میں برگِ خشک نہیں، زیرِ پا رہوں کیسے
نوائے صبحِ طرب ہوں، ہوا سنے گی مجھے

بدل رہی ہے فضائے خیال تیزی سے
خبر نہیں ہے نئی کیا لگن لگے گی مجھے

رکھوں گی عہدِ گزشتہ سے خود کو وابستہ
نئے جہاں کی مسلسل خبر رہے گی مجھے

کھڑی ہوئی ہوں زمستاں زدہ شجر کی طرح
ذرا سی بادِ بہاری بکھیر دے گی مجھے

ہوا مہکتی ہوئی آ رہی ہے میری طرف
ترے دیار کی خوشبو گلے ملے گی مجھے

پیامِ موسمِ گل ہو مِرا کلام اگر
نگاہِ غنچۂ نوٗ شوق سے پڑھے گی مجھے

⦿

جانے کس سمت لے چلے دھارے
زور تو مانجھیوں نے بھی مارے

ہمہ تن گوش ہوں مِرے پیارے
تو بھی اپنی کہانی کہہ بارے

تو کسی اور رنگ میں جیتا
ہم کسی اور دھیان میں ہارے

میرے آنچل پہ کوئی داغ نہیں
آنسوؤں کے نشان ہیں سارے

میری جھولی میں اشک ہیں جتنے
لے تری اک ہنسی پہ سب وارے

اُڑ ہماری منڈیر سے جھوٹے
وہ نہیں آئے تو بھی اب جارے

اپنے دل کے یقین سے بڑھ کر
تیرے دل کے گمان ہیں پیارے

اس گھڑی ماں نجانے کیا کر دے
جب بلکنے لگیں جگر پارے

نوچ کھائیں گے آسمانوں کو
بے زمیں ہو گئے جو بے چارے

لوگ تاریکیوں میں ڈوب گئے
دُور سے دیکھتے رہے تارے

⦿

سرِّ جاں ہے پسِ جاں، مظہرِ جاں ہے رقصاں
آگ اندر ہے کہیں اور دھواں ہے رقصاں

دل سے آنکھوں کی طرف خونِ رواں ہے رقصاں
موجۂ درد یہاں اور وہاں ہے رقصاں

گنگ بیٹھے ہیں دلوں میں کہیں ایمان و یقیں
وہم ہے نغمہ سرا اور گماں ہے رقصاں

ایک درویش کی آنکھوں نے سخاوت کی ہے
فرش تا عرش عیاں اور نہاں ہے رقصاں

نقدِ جان و دل و تن لے کے کوئی آیا ہے
ایسی چھب کا ہے خریدار، دکاں ہے رقصاں

کیسے ڈھونڈوں میں اُسے، کون پتا دے اُس کا
جس مغنّی کی صدا پر یہ جہاں ہے رقصاں

بابِ انکار سے لے کر درِ ایجاب تلک
جانے کیا کچھ پسِ دیوارِ بیاں ہے رقصاں

کون سی آگ ہے سینے میں کہ بجھتی ہی نہیں
کون سی دُھن پہ دلِ خون چکاں ہے رقصاں

ایک آہٹ سی ہوئی، ایک مہک سی پھیلی
کوئی دہلیز پہ ہے اور مکاں ہے رقصاں

⦿

وہ چشمِ بخت کشا مجھ پہ گر ٹھہر جائے
مِرا ستارہ مِرے ہاتھ پر اُتر آئے

میں اپنی ماں کی کہانی کو تب سمجھ پائی
جب اس کے لفظ مقدر نے مجھ پہ دہرائے

میں آسمان سے بڑھ کر بسیط ہو جاؤں
مِرے لیے کوئی شمس و قمر بنا لائے

نئے سرے سے مرتب ہو کائنات مری
کوئی ترانۂ ہستی کو اِس طرح گائے

وہ سارے چاند ستارے پہن کے بیٹھا ہے
فلک سے جا کے کہو، میرے گہنے لوٹائے

میں سر سے پاؤں تلک کھل اُٹھوں، مہک جاؤں
وہ ابرِ موسمِ گل اب کے اس طرح چھائے

میں کائنات میں گونجوں خدائے صوت و صدا
کلیدِ بابِ سخن مرحمت جو فرمائے

صدائے وحشتِ گل ہوں، ذرا خیال سے سن
میں گُل نہیں ہوں جسے تو چمن سے چن لائے

⊙

نہیں غم تیرگی کے وار پیہم ہیں، ابھی ہم ہیں
ابھی سے کیوں مہ و انجم کے سر خم ہیں، ابھی ہم ہیں

کرو مت فکر چھت کو تھام لیں گے ہم ستوں بن کر
یہ خستہ حال دیواریں کوئی دم ہیں، ابھی ہم ہیں

مرے پھولو! مرے نوخیز پودو! تم نہ کمہلانا
ابھی گلشن میں کچھ شاداب موسم ہیں، ابھی ہم ہیں

تمہارے ننھے ہاتھوں میں کھلونے ہوں، کتابیں ہوں
عدو کے روبرو ہم ہیں، ابھی ہم ہیں، ابھی ہم ہیں

ابھی ہم ہیں، ہمیں دُکھ کے مقابل ڈھال کر لینا
یہ دل افروز آنکھیں کس لیے نم ہیں، ابھی ہم ہیں

کہانی میں ابھی کچھ موڑ آئیں گے ذرا نازک
ابھی اس تذکرے میں آپ کے غم ہیں، ابھی ہم ہیں

مسیحائی تو بے شک آپ کی ہے مستند لیکن
ہمارے پاس بھی تھوڑے سے مرہم ہیں، ابھی ہم ہیں

دعاؤں کو چراغِ راہ کرنا جانتے ہیں ہم
نہ گھبراؤ، ستارے گرچہ مدھم ہیں، ابھی ہم ہیں

یہ گرنا، ٹھوکریں کھانا تو اک معمول ہے شاہیںؔ
سہارے کے لیے رہبر ہے، ہمدم ہیں، ابھی ہم ہیں

⊙

چشمِ تر نے ابھی نہیں تولی
آنسوؤں سے بھری ہوئی جھولی

زندگی بھر نہ جس نے لب کھولے
اپنی بیٹی کے واسطے بولی

کون تھا جس سے اپنا دُکھ کہتی
آئینے پر ہی سر رکھا، رو لی

اب نہ وہ خواب ہیں، نہ وہ نیندیں
بچپنے میں جو سونا تھا، سو لی

اس کے لہجے کی سرد بارش میں
دل نے اس کی تمنا ہی دھو لی

اس نے کیا کچھ کہا تھا، یاد نہیں
اوڑھنی کی گرہ نہیں کھولی

روندنا مت، میں سینچ لوں گی اسے
میں نے دل میں تری دعا بولی

کیا خبر آ ہی جائیں آج پیا
کیوں سکھی نے حنا نہیں گھولی

کیا ترے ساتھ بات ہو شاہیںؔ
تو نہ ہم درد ہے نہ ہم جولی

⊙

دل کے کہنے میں نہیں ہے آج کل میرا لہو
اس قدر کب تھا یہ انگارہ صفت، سیماب خو

زندگی تھی خوش گماں، خندہ خیال و مہرباں
اب دہکتی آگ کے شعلے ہیں رقصاں چار سو

ہے جنہیں ملحوظ تقدیسِ حریمِ قلب و جاں
قریۂ حرف و معانی میں وہی ہیں سرخرو

ہر طرف کتنے ہی دریا اور سمندر موج زن
گوشۂ ارضِ سخن میں ہم ذرا سی آب جو

ایک شورش سی ہے صبح و شام شہرِ ذات میں
روح امن و آشتی چاہے، بدن پیکار جو

دیدہ و دل بھی انہی کی پیروی میں رم زدہ
ہیں مِرے دشتِ بدن میں آہوانِ آرزو

اے بدلتی رُت! مِرے معصوم خوابوں کو جگا
موجۂ بادِ بہاری! آ مِری آنکھوں کو چھو

دست و دامن کو کشادہ ہر گھڑی رکھتی ہوں میں
ہے مِرے ذوقِ تمنا سے دُعا کی آبرو

اک دیا سا ٹمٹماتا ہے سرِ دیوارِ جاں
روشنی شاہینؔ مجھ سے کر رہی ہے گفتگو

⦿

تمنائے نشاطِ آگہی پیہم کریں گے ہم
دلوں پر سے یہ بارِ خوف کچھ تو کم کریں گے ہم

نہ تھا معلوم ابرِ دوستی جن پر برستا ہے
کبھی ان کھیتیوں کو آنسوؤں سے نم کریں گے ہم

جو قیدِ بامشقت کی طرح ہم نے گزارے ہیں
چلو ان موسموں کا آج مل کر غم کریں گے ہم

کسی نے آزمائی کب ہماری تابع فرمانی
کہے وہ گل، کہے خوشبو، کہے موسم، کریں گے ہم

ہمیں لفظوں کے پیچیدہ سُروں سے واقفیت ہے
ترے لہجے کا زیر و بم ذرا مدھم کریں گے ہم

ہمیں بھی وقت سے اور بخت سے کچھ بات کرنی ہے
کسی بھی دن، ذرا ڈٹ کر، مرے ہمدم، کریں گے ہم

کبھی دو وقت ملنے کے سمے آنا ہمیں ملنے
وصال و ہجر کی کیفیتیں مدغم کریں گے ہم

ہماری ذات کی پہچان ہے بس ایک چوکھٹ سے
وہیں جھکتا ہے دل شاہینؔ، وہیں سر خم کریں گے ہم

⊙

عجیب سی ہوئی بستی میں واردات کوئی
چُرا کے لے گیا سب کے تاثرات کوئی

ہر ایک اپنے تئیں ہے یگانہ و یکتا
ہمہ جمال ہے کوئی، ہمہ صفات کوئی

جدا ہے ہر کوئی اپنے گمان و امکاں میں
ہے کوئی ذرّہِ بے تاب، کائنات کوئی

اُتر نہ آئیں بغاوت پہ اپنے ہی بازو
چھپی ہو اپنی ہی تلوار میں نہ مات کوئی

بتانِ حرص و ہوس ایستادہ ہیں ہر سو
یہ شہرِ زندہ دلاں ہے کہ سومنات کوئی

فضائیں جیسے کسی صدمے کے اثر میں ہیں
نہ کوئی چیخ، نہ آنسو، نہ لب پہ بات کوئی

شجر کی گود میں دُبکے ہیں طائرانِ چمن
لگائے بیٹھا ہے سب گھونسلوں میں گھات کوئی

تمام لوگ کھلے آسماں کے نیچے ہیں
گھروں میں ایسے ہوئے تلخ تجربات کوئی

دلوں میں آتے ہوئے ڈر رہی ہے ہمدردی
حسد نے کر دیے سینوں میں حادثات کوئی

خدائے خیر! مرے کارواں پہ ایک نظر
کوئی سحر، کوئی رہبر، رہِ نجات کوئی

اَٹے ہوئے ہیں مسافت کی دھول میں شاہیںؔ
یہ ہم ہیں یا کہ ہے آئینۂ حیات کوئی

⊙

سماعتوں کی اجازت، نہ اذنِ گویائی
خدا کا شکر کہ آنکھیں ہیں اور بینائی

یہ کس مقام پہ ہے نقطۂ نگاہ مِرا
بچھی ہے چاروں طرف بے پناہ تنہائی

امیرِ شہر کے لہجے میں اتنی ٹھنڈک ہے
فضا میں پھیل گئی، خون میں اُتر آئی

اس آس پر کہ کسی دن تو برف پگھلے گی
کسی نے نظم، کسی نے کہانی سلگائی

عروسِ فکر کو آسودگی وہی دے گا
قبائے لفظ نئی جس نے اُس کو پہنائی

ہمیں ہیں جن کے سروں میں ہے عدل کا سودا
ہمیں شہادتِ حق کے لیے ہیں سودائی

ہے وہ بھی میری طرح زیست کے شکنجے میں
اسیرِ بخت کو کیسے کہوں میں ہرجائی

نہ آنسوؤں پہ تھا قابو نہ رُک رہی تھی ہنسی
وفورِ شوق میں کی اُس کی یوں پذیرائی

⊙

ہمیں ہے گر خطاؤں کا سلیقہ
اُسے بھی ہے سزاؤں کا سلیقہ

درِ ایجاب کھل جاتا ہے پل میں
لبوں کو ہو دعاؤں کا سلیقہ

کئی نسلوں میں دیتا ہے دکھائی
ہے ایسی چیز ماؤں کا سلیقہ

تری دیوار سے یوں دوستی ہے
ہے اس پر ختم چھاؤں کا سلیقہ

سکھایا ہے کسی نامہرباں نے
ہمیں کب تھا وفاؤں کا سلیقہ

بھلی لگتی نہیں بے وقت بارش
ہے ساون کو گھٹاؤں کا سلیقہ

دریچے کھول دیتا ہے زمانہ
ذرا سا ہو صداؤں کا سلیقہ

کسی دن لوٹ آئے گا مسافر
ہے دل کو گر نداؤں کا سلیقہ

جسے کہتی ہے دُنیا حسن شاہیںؔ
فقط ہے وہ اداؤں کا سلیقہ

⊙

آج لہجے میں بڑی جھنکار ہے
دل کی دنیا میں کوئی تہوار ہے

یوں کسی کو مانتا کوئی نہیں
فن بتاتا ہے کہ یہ فنکار ہے

دیکھنا ہے مہر و مہ کے اُس طرف
درحقیقت روشنی اُس پار ہے

زندگی پر رُوپ آئے گا بہت
خوبصورت پیرہن درکار ہے

سمت کا جلدی تعین کیجیے
ہر نفس آتش عناں رہوار ہے

بے سبب ہی تو نہیں خلقت رواں
اُس طرف لگتا کوئی دربار ہے

ہم بھی اس کے دل میں اُتریں گے کبھی
سنتے ہیں مہکا ہوا گلزار ہے

کوئی آیا تو ہے میری کھوج میں
کوئی آہٹ سی پسِ دیوار ہے

⊙

کچھ دن سے فضاؤں میں ہے اک شوخ تلاطم
فطرت نے ذرا بدلا ہے اندازِ تکلم

ہنگامۂ امروز سے کچھ وقت نکالیں
ہم بھی سنیں پھولوں کا، ہواؤں کا ترنم

رنگ ریز ہوا میری ہنسی کر دے گلابی
جی بھر کے ہنسیں کھیلیں گے اس بار تو ہم تم

خوشبو میں نہائیں گے ابھی، میں بھی، صبا بھی
ہے موج میں گلشن کا مہکتا ہوا قلزم

ہے رشتہ دل و جان کا پھولوں سے، صبا سے
ساتھی مِرے بچپن کے ہیں مہر و مہ و انجم

گِرد اُس کے ہے اک جادوئی ہالہ سا ضیا کا
چشم و لب و رخسار پہ پُرنور تبسم

جس رہ سے گزرتا ہے وہ مہتابِ درخشاں
تکتا ہے اُسے سارا جہاں بے خود و گم صم

⦿

میں اپنی دنیا بدل رہی ہوں
تمہارے سانچے میں ڈھل رہی ہوں

سمجھ میں سمتیں نہ آ سکیں تو
میں قبلہ رُو ہو کے چل رہی ہوں

کنارہ بھی احترام سے کر
تری دُعاؤں کا پھل رہی ہوں

تو جس میں آسودۂ وفا تھا
وہی سنہرا محل رہی ہوں

تمہارے آنگن کی دھوپ ہوں میں
اسی میں سمتیں بدل رہی ہوں

شکستگی کو شکست دے کر
میں اپنے اندر سنبھل رہی ہوں

میں اپنی سوچوں سے کھیلتی ہوں
میں اپنے دل سے بہل رہی ہوں

کہاں ہے میرا مہِ درخشاں
ہے رات کالی، ڈھل رہی ہوں

کہا طلب نے حمیدہ شاہیں
میں آزمائش تھی، ٹل رہی ہوں

⊙

ہم نے دیکھا چاند گوشہ گیر ہے
خواب میں ہی خواب کی تعبیر ہے

اُن کی آنکھوں سے دُعا کروائیں گے
اُن کی نظروں میں بڑی تاثیر ہے

منکشف ہونے پہ وہ راضی نہیں
مو قلم سے منحرف تصویر ہے

منہدم ہونے سے پہلے جان لو
راز کیا پیش و پسِ تعمیر ہے

ہے جمالِ گُل کہاں مسند نشیں
نورِ کامل کی کہاں جاگیر ہے

روشنی کا راز کھلتا ہی نہیں
ہر کرن کی منفرد تفسیر ہے

چھن چھنا چھن ہو رہی ہے رات دن
دل میں کوئی آرزو زنجیر ہے

چل پڑی دنیا تماشا دیکھنے
جاں کنی ہے، تیر ہے، نخچیر ہے

⊙

آندھیوں نے قافلے ٹھیرا دیے
زیست کے منظر سبھی دھندلا دیے

مچ گیا کہرام شہرِ چشم میں
خواب کس نے خون میں نہلا دیے

اجنبی شہروں پہ آ کے رُک گئے
کس نے میرے راستے بہکا دیے

موت نے اب اپنے سارے آئنے
زندگی کے طاق میں رکھوا دیے

روشنی کے جُھنڈ ربِ نور بھیج
طائرِ ظلمت نے پر پھیلا دیے

بجھ گیا چہرہ ہر اِک مہتاب کا
رات نے پیغام جانے کیا دیے

کچھ دیے تھے روشنی سے منحرف
رہ گزارِ عشق نے ٹھکرا دیے

وحشتوں نے کھیل وہ کھیلے یہاں
پھول سے بچوں کے دل سہما دیے

دوستی، قطعِ تعلق، واپسی
چار دن میں کام سب نمٹا دیے

کیسی کیسی صورتیں مٹی ہوئیں
موت نے کیا مہر و مہ گہنا دیے

⦿

موسم نے پھولوں سے کی ہے سرگوشی
مل کر آج کریں گے اُس کی گل پوشی

ہم نے جب سے اک دوجے کو پہنا ہے
شہر میں ہے مشہور ہماری خوش پوشی

آج اُس کے ہمراہ پھری ہوں پھولوں میں
آج نشے میں ہوں، کی ہے خوشبو نوشی

ہوش کا سورج تو جھلسائے دیتا تھا
بارش بن کر اُتر رہی ہے مدہوشی

بھیگ رہے ہیں سارے حرف دعاؤں کے
آنکھیں بول رہی ہیں، لب پر خاموشی

لوگ تو پہلی ہی پرواز میں کہتے ہیں
کر لیں چاند ستاروں سے ہم آغوشی

مجھ کو خاک نشیں رکھ کر کب پا سکتا
لطف و لذتِ ہم پروازی و ہم دوشی

قسمت کیسے آنگن میں آتی شاہیںؔ
دروازے پر خوابیدہ تھی کم کوشی

⦿

یہ ساری داستان ہی عجیب ہے
کسی کے ہاتھ میں مِرا نصیب ہے

ابھی تلاش کر رہی ہوں میں اُسے
جو میری شاہ رگ سے بھی قریب ہے

کسی کی لغزشوں کو بھولتا نہیں
زمانہ اس کمال کا حسیب ہے

شکاریوں میں گھر چکی ہے فاختہ
ملول اور خموش عندلیب ہے

عجیب ہے محبتوں کا راستہ
یہاں تو ریگِ راہ بھی نقیب ہے

کوئی مجھے بچا رہا ہے چوکھی
مجھے کوئی پناہ تو نصیب ہے

فلک نے تو مری سزا معاف کی
زمیں کے ہاتھ میں نئی صلیب ہے

بہار! اس کو ٹھوکروں میں مت اُڑا
یہ برگِ خشک کب ترا رقیب ہے

⦿

کوئی جادو سا ہے رُسوائیوں میں
پڑی ہے جان سی پرچھائیوں میں

نظر آتا نہیں، کہتی ہے دُنیا
چھپا بیٹھا ہے وہ بینائیوں میں

ابھی مجھ میں ذرا سی زندگی ہے
ابھی موجود ہوں گہرائیوں میں

فلک! ہوتی اگر میں ابر پارہ
اُڑی پھرتی تری پہنائیوں میں

تصنع میں مجھے وہ ڈھونڈتا تھا
مگن بیٹھی تھی میں سچائیوں میں

ہے میری زود رنجی عیب میرا
مگر اُس نے گِنا اچھائیوں میں

جدا ناخن سے ہوگا ماس کیسے
غلط فہمی ہوئی ہے بھائیوں میں

پرانے درد سارے جاگ اُٹھے
کوئی پیغام تھا پُروائیوں میں

وفا زندہ حقیقت تھی حمیدؔہ
فسانہ ہو گئی ہرجائیوں میں

نکل جاتا ہے وہ چپ چاپ گھر سے
ہے میری دوستی دیوار و در سے

کسی کی سمت دیکھے بھی وہ کیسے
ابھی نکلا نہیں اپنے اثر سے

میں اس کے پاؤں سے لپٹی اگر تو
مجھے بھی وار کر پھینکے گا سر سے

کوئی مجھ سا نظر آئے تو کہنا
مجھے دیکھو مری ماں کی نظر سے

میں سنگِ ناتراشیدہ ہوں اب تک
شکایت ہے ترے دستِ ہنر سے

یہ رستہ کہکشاں سا بن گیا ہے
کوئی مہتاب گزرا ہے اِدھر سے

ابھی کچھ پوچھنا مت جگنوؤں سے
یہ لوٹے ہیں اندھیروں کے سفر سے

کسی آتش بجاں کی داستاں ہے
مِرے لفظوں سے نکلے ہیں شرر سے

پرائی چھاؤں کا ہے کیا بھروسہ
سکوں ملتا ہے اپنے ہی شجر سے

کہے جا کر ہمارا حال شاہیںؔ
کوئی اس بے تعلق، بے خبر سے

دیکھ اُٹھا کر بند کتاب
کھول نئی دنیا کا باب

ایک اِک لفظ کی تہہ میں اُتر
فکر و نظر کو کر سیراب

تیری اصل سمندر ہے
اور تو اب تک ہے پایاب

تیرا ایک ٹھکانہ ہے
پھرتا ہے کیوں تو بے تاب

اُس کی آنکھ میں آنسو ہیں
میرا چہرہ زیرِ آب

آخر میں بھی جاگ اُٹھی
کب تک دیکھتی رہتی خواب

مانگا کر چپ چاپ دُعا
کیا نہ کر فکرِ ایجاب

مولا سب کو شاد رکھے
سب کے کھیت رہیں شاداب

سارے آنگن روشن ہوں
سب کی چھت پر ہوں مہتاب

⦿

بوڑھے پیڑ کے کٹ جانے سے ڈرتی ہیں
چڑیاں اب سہمی سہمی سی رہتی ہیں

دیسوں اور پردیسوں والے خیر سے ہوں
مائیں صبح و شام دعائیں کرتی ہیں

جب بھی تیرا نام لکھا بے خود ہو کر
کاغذ پر جیسے شمعیں سی جلتی ہیں

خود رو پودوں کی مانند تمنائیں
جتنا کاٹو اور زیادہ بڑھتی ہیں

اکثر اس کو آنا یاد نہیں رہتا
جس کی خاطر راہ گزاریں سجتی ہیں

سورج سر پر آ کر خوب چمکتا ہے
برف کی جھیلیں تب پانی میں ڈھلتی ہیں

سارا گلشن پراسرار سا لگتا ہے
جانے کیا کیا اسم ہوائیں پڑھتی ہیں

کیوں دشتِ بے ابروآب میں پھرتے ہو
در پر دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں

بادِ عشق نہیں چھو کر گزری جن کو
اب تک وہ بچپن کی نیندیں سوتی ہیں

قیدی پر شاہیںؔ وہ منزل آ گئی ہے
جب دیواریں بھی دروازہ ہوتی ہیں

⊙

پھولوں میں کھلتا ہے کون
خوشبو میں ہنستا ہے کون

صدا لگانے کا فن سیکھ!
اب چہرے پڑھتا ہے کون

آگ لحاظ نہیں کرتی
کب اس میں جلتا ہے کون

جس کی چھت گرنے کو ہو
اس گھر میں رہتا ہے کون

شاخِ بدن سرسبز ہوئی
رگ رگ میں بہتا ہے کون

قاتل ہی جب منصف ہوں
خون بہا دیتا ہے کون

میرا دکھ، میرے آنسو
بادل کو دیتا ہے کون

طوفانوں کی تحریریں
موجوں پر لکھتا ہے کون

میری سوچ کے گنبد میں
سرگوشی کرتا ہے کون

تم تو دن بھر ہنستے ہو
شام ڈھلے روتا ہے کون

⊙

اگرچہ میرے خدا نے مجھے گلاب کیا
مرا نصیب کہ ساتھی ہوا سرشت ملا

مجھے کسی نے فروزاں تو کر دیا ہے مگر
لڑے گا کس طرح اتنی ہواؤں سے یہ دیا

حساب کس طرح ایسے فراق بخت کا ہو
جو ایک ساعتِ ہجراں ہزار سال جیا

سکھی ری! کس کو خبر، کیا ہتھیلیوں پہ رچے
لہو کسی کی طلب کا، دُعا کہ رنگِ حنا

کبھی تو بول مرے ساتھ روشنی کی زباں
میں طاقِ ہجر ہوں، مجھ میں کوئی چراغ جلا

ہوائے موسمِ ترغیب تیز تر بھی ہوئی
وفا نبھائی ہے مجھ سے مرے بدن نے سدا

نہ گدگدا مجھے اتنا شرارتی خوشبو
پہنچ گئی ہے تو پہلے، ابھی ہیں دُور پیا

خالی ہاتھ کا دُکھ ایسے کیوں تڑپاتا
صحرا تھا وہ شخص تو پیاس ہی دے جاتا

سینے کے سب زخم ستارے بن جاتے
اُس مہتاب کو دل مہمان تو ٹھہراتا

ہم دونوں اک ساتھ کھڑے سجتے' وہ مجھے
اپنے نام کا پیراہن تو پہناتا

دل کو ہوش ہی کب رہتا تعبیروں کا
آنکھوں میں وہ بن کر خواب اُتر آتا

ہجر کی دھوپ میں چوبِ خشک ہوئے ہم، وہ
راکھ نہ کرتا تو پھر صدیوں سلگاتا

سود و زیاں کا روز حساب کیا جائے
اپنوں میں کب کھلتا ہے ایسا کھاتا

جبر میں ساری بات انا پر آتی ہے
چاہت میں تو جو جی چاہے منواتا

میرے ساتھ اُلجھ کر بات بڑھا بیٹھا
جو اُلجھن تھی، دھیرے دھیرے سلجھاتا

محفل میں جس بات پہ برہم ہو بیٹھا
دھیرج سے تنہائی میں وہ سمجھاتا

سب سے اچھی بات تمہاری ہے مولا
سب سے اچھا رنگ تمہارا ہے داتا

⦿

تم سے آزاد ہو گئی ہوتی
میں بھی فریاد ہو گئی ہوتی

روز اِک بار بھی اگر پڑھتا
میں اُسے یاد ہو گئی ہوتی

شکر ہے دل کا ساتھ چھوٹ گیا
ورنہ برباد ہو گئی ہوتی

وقت پر کام آئے پر ورنہ
نذرِ صیاد ہو گئی ہوتی

سیلِ غم سے وہ یوں نہ ڈھے سکتا
میں جو بنیاد ہو گئی ہوتی

جسم کو بھی سکون مل جاتا
روح آباد ہو گئی ہوتی

اپنے آنگن میں گھومنے دیتا
زندگی شاد ہو گئی ہوتی

اپنی مرضی سے گر میں جی سکتی
ابر یا باد ہو گئی ہوتی

⊙

بات بنانا بھول چکی ہوں
بھید چھپانا بھول چکی ہوں

ہر موضوع پہ بحثیں کرنا
شرطیں بدنا بھول چکی ہوں

ساری ساری رات ٹہلنا
غزلیں سننا بھول چکی ہوں

نظموں، غزلوں، افسانوں پر
رائے دینا بھول چکی ہوں

آنسو پینا سیکھ لیا ہے
کھل کر ہنسنا بھول چکی ہوں

تنہائی کا اور محفل کا
لطف اُٹھانا بھول چکی ہوں

پہروں خود سے باتیں کرنا
اور اُلجھنا بھول چکی ہوں

برسوں بعد قلم یوں پکڑا
جیسے لکھنا بھول چکی ہوں

⊙

زندگانی میں آب و تاب نہیں
موسم گل نہیں، گلاب نہیں

اب نہ بیداریٔ شبِ فرقت
وصل کا لطفِ لاجواب نہیں

جلوۂ دیریاب و دزدیدہ
حشر انگیزیٔ حجاب نہیں

گرمی و تندیٔ خیال نہیں
رنگ و آہنگ و رقصِ خواب نہیں

ہر گھڑی بے سبب جنوں خیزی
بے قراری و اضطراب نہیں

گنتیاں ہو چکیں ستاروں کی
کھڑکیوں میں بھی ماہتاب نہیں

شوخیِ چشم و لب تو خواب ہوئی
تیغِ ابرو میں بھی وہ آب نہیں

کھیتیاں خشک ہو گئیں دل کی
اور آنکھوں میں بھی سحاب نہیں

دل کا ہر گوشوارہ جانچ لیا
اب نہیں اور احتساب نہیں

اک دھندلکا سا ہے نگاہوں میں
کوئی رخشندہ آفتاب نہیں

⊙

رازِ دل کس طرح نہاں رکھوں
اتنے رنج و الم کہاں رکھوں

سلسلے ہیں خلاؤں سے لیکن
اپنی مٹی کو رازداں رکھوں

میں نے رودادِ ظلم لکھنی ہے
داستاں میں تجھے کہاں رکھوں

تو نے جس دل کو خوں کیا اس کو
تیری جانب سے خوش گماں رکھوں

لٹتی جاتی ہیں ساری تعبیریں
کس کو خوابوں کا پاسباں رکھوں

ٹوٹ پڑتا ہے موج میں آ کر
کس لیے سر پہ آسماں رکھوں

کس کے شانے پہ روؤں دکھ اپنے
کوئی ہم دم نہ ہم زباں رکھوں

آپ کے خواب دیکھتی جاؤں
آپ کو خون میں رواں رکھوں

میں بھی پھولوں کے ساتھ ہنس پاؤں
میں بھی شاداب گلستاں رکھوں

کیسے بھیگوں خرد کی بارش میں
اک جنوں کو میں سائباں رکھوں

⊙

بے حد و بے حساب سے نکلیں
زندگی کے عذاب سے نکلیں

نیند ٹوٹے تو کچھ نظر آئے
رنگ و آہنگِ خواب سے نکلیں

اذنِ پرواز! ربِ ارض و سما
فکرِ آب و سراب سے نکلیں

دائروں سے نجات کا مژدہ!
کششِ ماہتاب سے نکلیں

اِک جہاں ہو ورائے شام و سحر
وقت کے اضطراب سے نکلیں

جو بھی ہونا ہے امتحاں، ہو جائے
روز کے احتساب سے نکلیں

حاصلِ زیست سامنے آئے
کسب و اِکتساب سے نکلیں

شرَفِ گفتگو ملے ہم کو
معنیِ دیریاب سے نکلیں

اختتامِ کتابِ ہستی ہو
زحمتِ انتساب سے نکلیں

⦿

چشمِ گریاں سے اس طرح ٹپکے
رات کو آسماں پہ جا چمکے

جان پڑتی گئی درختوں میں
طائرِ خوش کلام جب چہکے

پھر سرِ چشم آ نہ پاؤ گے
آنکھ سے ایک مرتبہ ڈھلکے

کیسے خود کو سمیٹ کر رکھوں
درد جب روم روم سے چھلکے

میں لگا دیتی داؤ پر خود کو
وہ اگر کھیلتا ذرا جم کے

اب کے آئے بہار وہ مولا
میری بستی کی ہر گلی مہکے

ایک دن ایسی چاندنی اُترے
چاند ہر ایک صحن میں دمکے

کس نے پازیب کر دیے تارے
میرے پیروں میں روشنی چھنکے

چوڑیاں کس کے نام کی پہنیں
میری بانہوں میں زندگی کھنکے

تھک گئی ہوں منا منا کے اُسے
رُوٹھ جاؤں گی اس سے میں اب کے

⊙

میں نے توقیر کا سوال کیا
اس نے تحقیر میں کمال کیا

ہم سفر ہاتھ تھام کر نہ چلا
ٹھوکروں نے بہت نڈھال کیا

اس نے تدبیر کی رُلانے کی
جب بھی تقدیر نے نہال کیا

مرتبے کیسے کیسے چھین لیے
ہم نشینی پہ جب بحال کیا

جائے فریاد جائے داد بنی
جو کیا ظلم، بے مثال کیا

میرا ہتھیار میری خاموشی
صبر کو میں نے اپنی ڈھال کیا

غم کسی مسئلے کا حل کب تھا
ہم نے بے فائدہ ملال کیا

اس کی احسان مند ہوں جس نے
شامِ غم میں مِرا خیال کیا

⦿

اب مجھے تقدیر کی نیرنگیوں میں ڈھونڈنا
ہجرتوں میں، فرقتوں میں، فاصلوں میں ڈھونڈنا

اب مجھے سوچو تو زنداں کی طرف مت دیکھنا
آندھیوں میں، بادلوں میں، بارشوں میں ڈھونڈنا

لے تری بے مہر چوکھٹ آج ہم نے چھوڑ دی
اب نہ مجھ کو اپنے گھر کے راستوں میں ڈھونڈنا

چھوڑ دی بستی تری، کوچہ ترا، آنگن ترا
اب فقط چھت سے گزرتی خوشبوؤں میں ڈھونڈنا

جب نئے موسم کے پہلو میں سکوں پاؤ نہ تم
میری تحریریں پرانی کاپیوں میں ڈھونڈنا

یاد آئیں گی مری باتیں، مرا لہجہ تمہیں
میری خوشبو کو پھر اپنے بازوؤں میں ڈھونڈنا

نارسائی کی اذّیت جب کبھی سونے نہ دے
ہولے سے اُٹھنا، مجھے میرے خطوں میں ڈھونڈنا

ختم ہو جائے اگر بے اعتباری کا سفر
مجھ کو اپنے دوستوں کی سازشوں میں ڈھونڈنا

کرب کا سورج سوا نیزے پہ آ جائے اگر
تب مجھے یادوں کے گہرے بادلوں میں ڈھونڈنا

رات کے پچھلے پہر جب یاد آ جاؤں کبھی
چاند میں، تاروں میں یا پھر جگنوؤں میں ڈھونڈنا

⊙

خزاں رُتوں میں بھی اس کو مرا خیال رہا
ہوا سرشت تھا لیکن صبا مثال رہا

بہت کڑے تھے فرائض، مگر نبھاتی گئی
اور اُس نگاہ میں رُتبہ مرا بحال رہا

مجھے بھی آ نہ سکا ضبط کا ہنر اب تک
اُسے بھی حد سے گزر جانے میں کمال رہا

اگرچہ زخم لگانے میں کم نہ تھا خود بھی
مگر عدو کے مقابل وہ میری ڈھال رہا

وہ دن بھی میں نے گزارے فلک کو تکتے ہوئے
مِرے وجود پہ پھیلا تمہارا جال رہا

ہزار بار جلی اور جل کے زخم بنی
وہ لمسِ دستِ خنک وجہِ اندمال رہا

مجھے اُڑاتا گیا اور ڈھیل دیتا گیا
اگرچہ ڈور کے کٹنے کا احتمال رہا

اکیلے ہو گئے مہتاب جیسے لوگ یہاں
ستارہ ساز نگاہوں کا اتنا کال رہا

میں جتنی دیر اُسے دیکھتی رہی شاہیںؔ
یہ دل کہ طفلکِ معصوم ہے، نہال رہا

⦿

لطف تری ہم دوشی کا
راز مری مدہوشی کا

تیرے پیار کا ہر لمحہ
نور سے ہم آغوشی کا

روشنیاں ترے جذبوں کی
حسن تری سرگوشی کا

خوشبو تیرے حرفوں کی
ایک مزا گل پوشی کا

ہجر سہا اس دل نے جو
ملزم تھا کم کوشی کا

ہم گاہک ہیں اور اس کو
شوق ہے اشک فروشی کا

شب کی چیخیں کون سنے
دور ہے ناؤ نوشی کا

شاہیںؔ پیاری گیت نہ گا
موسم ہے خاموشی کا

⦿

بہلتی جائے گی سرکش محبت، دیکھتے جاؤ
تمہیں دنیا سکھا دے گی سیاست، دیکھتے جاؤ

بڑے اونچے سُروں میں بات کرتے ہو محبت کی
محبت ہے خساروں کی تجارت، دیکھتے جاؤ

ہم اپنے پھول سے جذبے بکھیریں گے فضاؤں میں
چلے گی ہم سے خوشبو کی روایت، دیکھتے جاؤ

رِدائے خواب کو ہم نور کی بارش میں دھوئیں گے
محبت کو بنا دیں گے عبادت، دیکھتے جاؤ

ہماری آرزوؤں کو کھلی پرواز کرنے دو
کرے گا آسماں ان کی حفاظت، دیکھتے جاؤ

ہم اپنی آتشِ جاں سے جلائیں گے دیے ہر سو
ہمارے لفظ بانٹیں گے حرارت، دیکھتے جاؤ

ابھی تو زیست کے جلتے ہوئے صحرا میں چلنا ہے
اُڑے گی سر تلک گردِ مسافت، دیکھتے جاؤ

بساطِ عمر پر سہنی پڑیں گی وقت کی چالیں
کھڑا کرتی ہے کس خانے میں قسمت، دیکھتے جاؤ

تم اپنی روح کو سچی ندا تخلیق کرنے دو
سنے گا خالقِ صوت و سماعت، دیکھتے جاؤ

کسی نقشِ کفِ پا میں یہ آنکھیں خاک مت کرنا
جو منزل بن کے آئے گی وہ صورت دیکھتے جاؤ

⊙

چلو ہنسیں کھیلیں آج سکھیو
ہٹاؤ سب کام کاج سکھیو

مری کلائی میں پھول باندھو
یہی ہے میرا علاج سکھیو

یہ گدگداتی ہے بے تکلف
ہوا سے آتی ہے لاج سکھیو

ہٹو! ابھی آئی پی سے مل کر
بنو نہ ظالم سماج سکھیو

پیا کا پیار اور اپنا آنگن
ہمارا تخت اور تاج سکھیو

ہمارے سپنوں پہ اُن کا قبضہ
ہے زندگی بھر کا راج سکھیو

ابھی چڑھاتے ہیں پینگ مل کر
نہ روٹھو نازک مزاج سکھیو

ہمارے گبھرو ہمارا سونا
سنہرا اپنا اناج سکھیو

حمیدہ شاہیںؔ کو بتاؤ
شگن، رسوم اور رواج سکھیو

◉

سمندر چپ، موافق ہے بہاؤ
سکوں سے تیرتی جائے ہے ناؤ

نہ لفظوں میں نہ لہجے میں بناؤ
سبھی سے ہے الگ اُس کا سبھاؤ

وہ اُونچا تھا مگر مضبوط کب تھا
کسی جانب تو ہونا تھا جھکاؤ

وہ منزل بھول کر منظر میں گم ہے
نہ اُس کے ساتھ اتنی دور جاؤ

رُلا کر خود ہی آنسو پونچھتا ہے
نجانے لاگ سچ ہے یا لگاؤ

ابھی تو پیاس کے منظر ہیں زندہ
ابھی دل کھول کر برسو گھٹاؤ

ملا ہے آج مجھ سے والہانہ
لگا ہوگا کسی جانب سے گھاؤ

چلے گی رات بھر میری کہانی
مرے لفظوں سے دہکے گا الاؤ

فلک سے چھیڑ اپنی چل رہی تھی
زمیں میں بے سبب آیا تناؤ

مری آنکھیں مری دشمن ہوئی ہیں
مجھے درپیش ہیں گہرے کٹاؤ

یہ دل ہے چاند کی مانند روشن
یہ ذرّہ آسمانوں پر سجاؤ

ہنسے جاتے ہو اتنا بے سبب کیوں
ہے دل پر پھر کسی غم کا دباؤ

کھڑے ہیں دم بخود میری طرح سب
چڑھا ہے اس طرح خوشیوں کا بھاؤ

حمیدہ جی! محبت حادثہ ہے
محبت میں نہیں ہوتا چناؤ

⊙

آگ ہی آگ ہے تا حدِ نظر
راکھ ہونے کو ہیں سارے منظر

یوں گرفتار کیا ہے مجھ کو
جیسے احسان کیا ہو مجھ پر

اس سے انصاف کی اُمید نہ رکھ
ہاتھ جس کے ہیں ترے خون سے تر

آستینوں پہ لہو کے دھبے
زیرِ ملبوس چھپے ہیں خنجر

شور کرنے دو تمناؤں کو
کوئی رونق تو ہو دل کے اندر

حشر اُٹھنے دو تبھی آئیں گے
سارے مدفون خزانے باہر

⦿

در نہیں کھولتے ہو، دریچہ، حسنِ نظر کھول دو
طائرِ جاں کو تازہ ہوا اور شاداب ماحول دو

پھول، پتے، پرندے، سنہری مہکتی فضا اور مَیں
کھلکھلانے لگیں گے جو اک حرف تم پیار کا بول دو

کاش کوئی کہے، بیچتا ہوں محبت، وفا، آگہی
میں کہوں، دام تم اپنی مرضی کے لو اور سب تول دو

چند سکّے دعاؤں، وفاؤں کے رکھ دو مِرے ہاتھ پر
اپنی چوکھٹ سے وابستگی کو مِری جاں کوئی مول دو

مہرِ تاباں و ماہِ درخشاں کے خالق! مِری بھی سنو
اپنی شاہیںؔ کے ساغرِ فکر میں روشنی گھول دو

⦿

کتنا ہے سفاک زمانہ ہوتا ہے اِدراک
خواب گرفتہ آنکھوں میں جب پڑ جاتی ہے خاک

پھولوں سے لب سی دیتا ہے قسمت کا خیاط
لعل و گہر جیسے انساں ہو جاتے ہیں خاشاک

پل میں آ جاتی ہے پیروں میں اونچی دستار
دھجی دھجی ہو جاتی ہے شاہانہ پوشاک

دلکش نغمے گاتی نظریں ہو جاتی ہیں گنگ
دل کا اُجلا مہکا دامن ہو جاتا ہے چاک

ایسے لہجے میں کرتے ہیں باتیں کبر نژاد
ارض و سما پر بندھی ہوئی ہو جیسے ان کی دھاک

ایسی برف ہے لوگوں کے لہجوں اور سینوں میں
سورج کو بھی پسپا کر دے، سرد کرے افلاک

⦿

آ جائے گا دم میں دم
اک دن بدلے گا موسم

آنکھیں جل جائیں گی، دیکھ!
خوابوں کی لو رکھ مدھم

اتنا تیز نہ بھاگا کر
سانس ذرا لینے کو تھم

جس نے زخم لگائے ہیں
لے کر آئے گا مرہم

جو کچھ کر سکتا ہے کر
فکر کیا کر کم سے کم

سر پر تپتا سورج ہے
اپنے اندر رکھنا نم

⊙

نظروں میں ایسے کچھ منظر رہتے ہیں
ہر پل ہونٹ دُعاؤں سے تر رہتے ہیں

کُھل جائے شہرِ آفاق تو دیکھیں گے
آخر کیا اسرار پسِ در رہتے ہیں

ابھی مِرے صیّاد کی اُلجھن باقی ہے
پروازیں تو ختم ہوئیں، پر رہتے ہیں

کبھی کبھی ہم دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں
جذبے جو کرنا چاہیں، کر رہتے ہیں

اُن کی عادت آنکھ ملانا، ہنس دینا
ہم جیسے ان باتوں پر مر رہتے ہیں

اُونچی دستاریں بوٹوں کے نیچے ہیں
اب کچھ شانوں کے اوپر سر رہتے ہیں

⊙

موسم چپ توڑے گا آج
کوئی راز کھلے گا آج

نغمہ ریزیٔ باد و آب
ایک جہان سنے گا آج

موج میں ہے وہ ابر مزاج
لگتا ہے برسے گا آج

اُس نے پھول کیے ارسال
سارا گھر مہکے گا آج

ایسے بھر آیا ہے دل
جیسے بہہ نکلے گا آج

میرے دل کا شک یا دل
شاہیںؔ کچھ ٹوٹے گا آج

⊙

خدایا جب مرا مقسوم لکھنا
محبت کا نیا مفہوم لکھنا

ہمیں پابندیوں سے ہے محبت
ہماری داستاں منظوم لکھنا

وفا پر جب کبھی تحقیق کرنا
ہوئی ہے کس طرح معدوم لکھنا

کوئی اُمید لکھنا ساتھ اس کے
اگر اندیشۂ موہوم لکھنا

دلوں سے حوصلے جس نے چرائے
امانت میں تھی اس کی دھوم لکھنا

یہ لمبی رات کیسے کاٹنی ہے
کسی کو بھی نہیں معلوم لکھنا

⦿

آپ کے دستِ محتاط سے چھوٹنا
دل کی قسمت میں تھا اس طرح ٹوٹنا

ابر! دھیرے برسنا مرے گاؤں پر
چین کچے گھروں کا نہیں لوٹنا

روح میں شور ہے تشنگی! تشنگی!
چشمۂ آگہی پھوٹنا، پھوٹنا

آپ ہیں راحتِ جان و دل آپ کو
زیب دیتا نہیں ہے سکوں لوٹنا

اتنے اچھے تعلق میں اچھا نہیں
اتنے شکوے گلے، اس قدر رُوٹھنا

کٹ کے بھی وہ تو اونچی ہواؤں میں تھی
شور مچتا رہا، لوٹنا، لوٹنا

⊙

پیار کی کوئی ادا آپ کو محبوب نہیں
یہ روش سب سے جدا تو ہے مگر خوب نہیں

تیرے ہی نام پہ آیا ہوا پیغام ہوں میں
برگِ آوارہ پہ لکھا ہوا مکتوب نہیں

زخم ہیں، گرد ہے، چھالے ہیں مگر ہم سفرو!
کوئی لغزش تو مرے پاؤں سے منسوب نہیں

میری ہر ہار کو یوں جیت میں بدلا اُس نے
میں کسی مات پہ نادم نہیں، محجوب نہیں

مجھے درکار ہے اپنے ہی شجر کا سایہ
آشیاں اور کسی کا مجھے مطلوب نہیں

پھول سے لہجے میں کر سکتا ہے وہ سنگ زنی
گھن گرج میرے ستم کیش کا اسلوب نہیں

⦿

نظر تو اُن سے جھجک کے لپٹی
مِری اُداسی سسک کے لپٹی

ابھی وہ دہلیز پر نہ پہنچے
مہک پیا کی ہمک کے لپٹی

اُٹھا جو دل سے طلب کا شعلہ
اک آگ جاں سے دہک کے لپٹی

نجانے کس کی دعا سفر میں
قدم قدم پر مہک کے لپٹی

کہیں جو تنہائیوں کی شب تھی
تمہاری چاہت دمک کے لپٹی

نفس میں آسودگی سی اُتری
ہوا جو شاہیںؔ لہک کے لپٹی

⊙

تعلق تھا، تماشا تو نہیں تھا
محبت تھی یہ دھاگا تو نہیں تھا

ہماری چاہ بحرِ بے کراں تھی
کوئی پایاب دریا تو نہیں تھا

اُسے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے
وہ یوں کانوں کا کچا تو نہیں تھا

پریشانی میں بھی وہ نرم خو تھا
وہ یوں لہجہ بدلتا تو نہیں تھا

وہ سچا تھا، مجھے اب بھی یقیں ہے
وہ میرے ساتھ جھوٹا تو نہیں تھا

انہی باتوں سے کچھ سنبھلا ہے ورنہ
یہ دل اب بھی سنبھلتا تو نہیں تھا

⊙

اس کا اتنا رنگ ہے میرے خال و خد میں
اب اس کی اپنی تردید ہے میرے رد میں

مجھ پر ہر جانب سے تیر چلانے والا
اک دن خود بھی آ جائے گا اپنی زد میں

آنکھوں پر کیوں سب الزام دھرے جاتے ہیں
کب ہیں دل آویز نظارے اپنی حد میں

عقل وجنوں میں ایک مسلسل جنگ ہے جاری
دل کا کتنا ٹکڑا ہے کس کی سرحد میں

میری چھوٹی چھوٹی بات پکڑنے والا
اپنی ہر لغزش رکھتا ہے بھول کی مد میں

وقت گزاری کرتے ہیں چپ چاپ یہاں ہم
دخل نہیں دیتے اوروں کے نیک و بد میں

⊙

مہکا آنچل اُڑتا جائے، بجتا جائے زیور بھی
دل کے اندر پھول کھلے ہیں، ایک بہار ہے باہر بھی

سارے گھر میں پھیل رہی ہے اُس کی نظروں کی شوخی
اس کے ہنسنے سے بدلا ہے موسم بھی اور منظر بھی

اُس کے نام کی مہندی نے ہاتھوں پر ایسی دستک دی
جاگ اُٹھا انگڑائی لے کر برسوں بعد مقدر بھی

لوگ بچھڑتے وقت نجانے کیا کیا وعدے کرتے ہیں
میں تو بالکل بول نہ پائی، چپ تھی اس کے لب پر بھی

جیسے تیسے کاٹ لیا ہے اُس سے دوری کا عرصہ
ہجر کے رنج و غم بھی کھائے، رُسوائی کے پتھر بھی

جیون کے اس دھوپ نگر کو ہنستے گاتے پار کرو
اس کے پیار کی چھاؤں ہے سر پر اس کے نام کی چادر بھی

⦿

دل آنکھوں سے بہہ نکلا، ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا
بیٹے نے ننھا سا ہاتھ، جب میرے سر پر رکھا

خالی ہاتھ کہاں تک میں، لڑتی دُنیا والوں سے
کہیں سے تو کچھ کمک ملی، کوئی تو میری ڈھال بنا

اس خاموش رفاقت کو اب گویائی دے ڈالو
بولو گھر کی دیوارو! جو جو کچھ مجھ پر بیتا

اُڑ جاتا ہے لمحوں میں، لفظوں سے اور لہجے سے
اب تو چاہنے والوں کا پیار بھی کچا رنگ ہوا

یوں لگتا ہے صحرا میں بھاگ رہی ہوں صدیوں سے
ریت کی لہروں کو شاہیںؔ کیوں میں نے دریا سمجھا

⊙

تن ریشم کا ڈھیر بنا ہے، ست رنگا ہے آنچل بھی
آنکھوں میں شب بے داری کی سرخی ہے اور کاجل بھی

بے خود ہو کر ناچ رہا ہے دل ساری شریانوں میں
چھنک رہی ہے سینے کے اندر سانسوں کی پائل بھی

کوئی مجھے تعبیر بتائے، میں نے خواب میں دیکھا ہے
ایک زمین ہے میری اپنی، چاند، ستارے، بادل بھی

سونے والا ڈوب چکا روشن چمکیلے خوابوں میں
جلتا جائے اُجلا خیمہ اور سنہری مشعل بھی

سوچ سمجھ کر بیٹھ خرد مندوں کی محفل میں اے دل
تم جیسوں کو ایسی باتیں کر سکتی ہیں پاگل بھی

دھنس جانے سے پہلے کوئی ایک بھی سوچ نہیں پایا
ایسی روشن راہ گزاریں ہو سکتی ہیں دلدل بھی

سجا گیا ہے مِرے دریچے میں تازہ شاخِ گلاب کوئی
دل و بدن کے سبھی سوالوں کا دے رہا ہے جواب کوئی

زمینِ دل نے ہر ایک موسم، خلوص کے ذائقے اُگائے
مجھے تو سیراب کر رہا تھا محبتوں کا سحاب کوئی

اگرچہ بچپن کے سارے رنگیں محل مقفّل ہوئے پڑے ہیں
مگر ابھی تک کھلا ہے معصوم آرزوؤں کا باب کوئی

خبر نہیں اب تو میرے دامن میں کتنے تارے ہیں، کتنے آنسو
شمار زخموں کا ہے یہاں پر، نہ ہے گُلوں کا حساب کوئی

وفا کے راہی کو ایسے تاریک راستوں سے خدا بچائے
جہاں کوئی آرزو ہو روشن، نہ جگمگاتا ہو خواب کوئی

حمیدہ شاہیںؔ اُس سے مل کر یقین آیا ہے زندگی پر
ابھی فروزاں ہے پیار کا، اعتبار کا آفتاب کوئی

⦿

فاصلہ کچھ بھی نہیں ہے درمیاں، سمجھی تھی میں
کب ترے پیروں کے چھالوں کی زباں سمجھی تھی میں

وہ مری قسمت کی ترجیحات میں تھا ہی نہیں
جس کو ہاتھوں کی لکیروں میں رواں سمجھی تھی میں

کچھ کتابیں عمر بھر میں بھی پڑھی جاتی نہیں
لکھ سکوں شرحیں، تجھے اتنا کہاں سمجھی تھی میں

پھر مری جاں یوں ہوا، سارے ہی چہرے کھو گئے
عمر بھر سجتی ہے بزمِ دوستاں، سمجھی تھی میں

سوچ پر کھلتے ہیں کتنے در، یہ اب آ کر کھلا
رت جگوں کو صرف نیندوں کا زیاں سمجھی تھی میں

⦿

جس کو آنکھوں میں اُتارا ہم نے خوابوں کی طرح
جسم و جاں میں گھل رہا ہے وہ عذابوں کی طرح

اپنی سوچوں کے رگ و پے میں اُترنے دے مجھے
کھل اُٹھوں گی تیرے حرفوں میں گلابوں کی طرح

ذہن میں دلچسپ فقرے کی طرح رہتا ہے وہ
میں نے چاہا ہے اسے اپنی کتابوں کی طرح

بھیگتے پھرتے ہو اپنی بارشوں میں آپ ہی
کیسے دریا ہو کہ رہتے ہو سرابوں کی طرح

ٹوٹ کر برسوں گی شاہینؔ لیکن اپنے وقت پر
پھر رہی ہوں میں ابھی پیاسے سحابوں کی طرح

⊙

شب نژادوں کو ضیا چاہیے ہے
غم نصیبوں کو خدا چاہیے ہے

بد نصیبی کی گرہ کھول سکوں
ڈور کا کوئی سرا چاہیے ہے

رُوح تسکین طلب کرتی ہے
جسم کو سکھ کی ردا چاہیے ہے

سونے ہاتھوں سے دعا کیوں مانگوں
چوڑیاں، گجرا، حنا چاہیے ہے

آنکھ میں شکر گزاری کی دمک
ہونٹ کو حرفِ ثنا چاہیے ہے

کیجیے ایک عنایت کی نظر
اور کیا اس کے سوا چاہیے ہے

⊙

مِری ضیا سے نظر چراتے تھکا نہیں ہے
وہ ٹھوکروں سے مجھے بجھاتے تھکا نہیں ہے

یہ میری ہمت کہ لڑکھڑائی نہیں ابھی تک
وہ میری رَہ میں تھکن بچھاتے تھکا نہیں ہے

مجھے تمنا تھی آسمانوں پہ دسترس کی
مجھے وہ پاتال میں گراتے تھکا نہیں ہے

میں اس کی مٹی میں پھول پھل کے شگفتہ رہتی
مِری جڑوں سے مجھے ہلاتے تھکا نہیں ہے

وہ چاہتا تو میں پھول چنتی، میں خواب بنتی
وہ پیار کے گلستاں جلاتے تھکا نہیں ہے

وہ اب بھی چاہے تو گونج اُٹھے یہ گھر ہنسی سے
مگر وہ جذبوں کو چپ لگاتے تھکا نہیں ہے

⊙

کانوں میں بالی، ہاتھوں میں کنگن
پی جسے چاہیں وہ ہی سہاگن

بادِ بہاری! رُوٹھ نہ مجھ سے
اچھی نہیں ہے سکھیوں میں ان بن

گوری کرے کیا؟ بن گئی مخبر
چوڑی کی چھن چھن، پاؤں کی جھانجھن

ہار گئی تو روئے گی چھم چھم
کھیل دیا ہے پگلی نے تن من

ہرا بھرا دل جھوم رہا ہے
ٹوٹ کے برسا پیار کا ساون

⦿

لاکھ کہا شاہینؔ جی! کریو ناہیں پریت
پیاری اب کیوں روئے ہے، جوگی کس کے میت

جیون یدھ میں باندھ لو پلو سے اک بات
من کے ہارے ہار ہے، من کے جیتے جیت

دل کا دل سے کھیل ہے، سُر کا سُر سے میل
تال ملے من بھاؤنا ہو جائے سنگیت

راہ نہ کھوٹی کیجیو سمجھ کے اس کو پریم
سب سے میٹھا بولنا اس بستی کی ریت

سنتے پڑھتے آئے تھے، سانس کے ساتھ ہے آس
اپنی بھی اک آس میں عمر گئی ہے بیت

اب تو دن ہو، رین ہو، راہ تکیں گے نین
شام سویرے گائیو اب برہا کے گیت

⦿

کوئی پڑھوا کے لا دے تا گا رے
روگ کیسا یہ جی کو لاگا رے

مر چلی راہ دیکھ دیکھ کے میں
جھوٹ کیوں بولتا ہے کاگا رے

اے رے چندا! تجھے ہے کس کی لگن
کیوں مِرے ساتھ جاگا رے

کھینچتا کیوں ہے بات جھگڑے کی
ٹوٹ جائے نہ کچا دھاگا رے

کارے بدرا! جرا برس تو سہی
جا رہا ہے کہاں کو بھاگا رے

⊙

اک دن اپنی نیندوں پر بخت ہمارا روئے گا
جاگے گا سو پائے گا' سوئے گا سو کھوئے گا

وقت! ابھی تو نے مجھ سے کتنے بدلے لینے ہیں
عمر کے کچے دھاگے میں کتنے سال پروئے گا

بھرے ہوئے دریاؤں پر بادل کب تک برسیں گے
تپے ہوئے صحراؤں کو مولا کون بھگوئے گا

دل نے تپتی دھوپوں میں جن پودوں کو سینچا ہے
ان کی ٹھنڈی چھاؤں میں لمبی تان کے سوئے گا

⊙

اُتر اُتر کر آنگن میں بول رہا ہے کوا آج
دیا جلاؤں مسجد میں، ویر ملا دے ربا آج

جس کو سختی سے توڑا، وہ نرمی سے جھک جاتی
بات ذرا سی تھی لیکن برسوں بعد وہ سمجھا آج

بیٹی کی معصوم ہنسی دل میں اُتری جاتی ہے
برسوں سے دل کے اندر سویا بچپن جاگا آج

جانے کیا دکھ پہنچا ہے، جھڑی لگی ہے آنکھوں سے
ساون پہلے بھی آیا لیکن چھپر ٹوٹا آج

◉

ہر قدم پر دھیان رکھنا آبِ زیرِ کاہ کا
رنگ و رُخ بھی دیکھ لینا چشمِ ظل اللہ کا

سنتے ہیں موسم بدل جاتا ہے پورے دیس میں
رُخ بدلتا ہے ذرا سا رخشِ فکرِ شاہ کا

آسماں انساں کی وحشت گردیوں کی زد میں ہے
جا چکا ہے اب زمانہ سحرِ حسنِ ماہ کا

سچ کو پہلے ہی قدم پر لوٹنے والے بہت
راستہ روکا نہیں جاتا کبھی افواہ کا

حسن نے اس کو طلب کا راستہ دکھلا دیا
جب تکبر توڑنا چاہا کسی ذی جاہ کا

صبر و نسیاں کے پڑاؤ پر کھڑی ہوں منتظر
قافلہ رُکنا یہیں ہے آنسوؤں کا' آہ کا

⦿

نکل جائے نہ گھر سے دور اک مہمان کے پیچھے
خرد کو بھیجنا ہوگا دلِ حیران کے پیچھے

نجانے کون سے جنگل میں جا کر ہو گئے ہیں گم
مری بستی سے جتنے بھی گئے پہچان کے پیچھے

درختوں کی طرح چپ چاپ اک جانب کھڑے ہیں ہم
کسی ارمان سے چھپ کر، کسی امکان کے پیچھے

تمنا اس کی بہتی جائے دل کی سبز وادی میں
بہت سے خواب ہیں اک موجۂ پیمان کے پیچھے

ترے سجدے بھی اب تیرے سوالوں کا تسلسل ہیں
سپاہِ وہم صف آرا ہوئی ایمان کے پیچھے

ہماری آہِ زیرِ لب حمیدہؔ چار سو گونجی
وہ دہشت ناک سناٹا ہوا طوفان کے پیچھے

⦿

ذائقہ کن ہواؤں کا چکھا
فصلِ گل پھر رہی ہے لب بستہ

خون آلود نقشِ پا جن کے
ناز کرتا ہے ان پہ ہر رستہ

آندھیاں تو بہت چلیں لیکن
ہم نے خود کو سمیٹ کر رکھا

بند ہوتا نہیں کسی لمحے
ایسے در سے ہوئی ہوں وابستہ

یا ہے آغازِ خود فراموشی
یا جنوں ہو رہا ہے وارفتہ

اشک گرتے رہے تھے رستے میں
ڈھونڈھ لیں گے بہشتِ گم گشتہ

⊙

پاؤں پہ اپنا ہی سایہ ہے، سر پر جلتی دھوپ
روپ بدلتا سورج میرا، رنگ بدلتی دھوپ

عمر کا سورج تیر رہا ہے وقت سمندر میں
دیکھ رہی ہوں دھیرے دھیرے پار اترتی دھوپ

بیگانے آنگن میں زیبائی کی کیا اوقات
اپنے صحن کو روشن کرتی، اور نکھرتی دھوپ

اجیارے اندھیارے میں گھمسان کا رَن ہے آج
دیکھ پلٹتی، گرتی، اُٹھتی اور سنبھلتی دھوپ

بستی والوں کو دن رات کا فرق تو رہتا یاد
جب ہم نے دن مانگے تھے، اک بار نکلتی دھوپ

لہراتی، مسکاتی اتری آئے شام کے ساتھ
میری اجلی دیواروں پر، تیری ڈھلتی دھوپ

⊙

زندگی بھر کے روّیوں کی وہ تردید کرے
جب کہے اپنی کہانی مجھے تمہید کرے

غیر تو اپنی عداوت میں کہیں، جو بھی کہیں
کیا ضروری ہے وہ ہر ایک کی تائید کرے

عمر بھر خود نظر انداز کیا ہے جس کو
اپنے بیٹے کو اسی بات کی تاکید کرے

آ نئے رُخ سے ملیں اور نیا عہد کریں
کون بھولے ہوئے پیمان کی تجدید کرے

⊙

موجۂ فکر کناروں کو نہ چھلکاؤ ابھی
بیچ دریا کے پہنچنے دو مری ناؤ ابھی

تو نے اِک بار مجھے گایا تھا کومل سُر میں
رگ و پے میں ہے اسی تان کا ٹھیراؤ ابھی

روشنی بڑھتی ہی جاتی ہے تری یادوں کی
مثلِ مہتاب درخشاں ہیں کئی گھاؤ ابھی

زندگی! یوں ہی تجھے میں نے بسر کر ڈالا
جانتی کب ہوں ترے بھید، ترے بھاؤ ابھی

میری آزاد ہنسی سن کے وہ کہتا ہوگا
کارگر ہی نہیں ہو پائے مرے داؤ ابھی

کِسی ضو سے، کبھی خوشبو سے نہیں جی بھرتا
اپنے لہجے کو فروزاں رکھو، مہکاؤ ابھی

⦿

طلسمِ سود و زیاں کا شکار ہو نہ سکی
کہ میں تو کوزۂ حیرت کھنگالنے میں رہی

سفید جھاگ بلاتے رہے مجھے لیکن
سمندروں کے مقابل میں اپنی رو میں بہی

زمین اپنی تہوں میں چھپا رہی ہے جنہیں
مِرے وہ لعلِ درخشاں مجھے ملیں گے کبھی

ترے خیال کا عالم عجیب ہے اس پر
قبائے وصل سے بڑھ کر ردائے ہجر کِھلی

یہ دشتِ شب ہے، یہاں سر چھپاؤ گے کیسے
حصارِ نور سے باہر پناہ کس کو ملی

غمِ حیات، کوئی طفلِ شوخ ہو جیسے
میں روز کس طرح بھگتوں شرارتیں اس کی

یہ اتنی شوخیاں، رعنائیاں ہیں کس کے لیے
عروسِ شام کدھر کو چلی سجی، سنوری

پیا تو کہتے ہیں میں ان کو پیاری ہوں لیکن
کبھی ہتھیلی پہ مہندی نہ شوخ ہو کے رچی

⊙

مجھے وہم سا اک مسلسل رہا ہے
ہتھیلی پہ کوئی دیا جل رہا ہے

خبر لو ذرا اپنے باغِ سکوں کی
یہاں کوئی خود رو جنوں پھل رہا ہے

یہ سر تک اُمڈ آنے والا اندھیرا
کبھی میرے پیروں کی پایل رہا ہے

نگاہوں میں جو کہکشائیں سجا دے
مری آنکھ میں بھی وہ کاجل رہا ہے

ہیں چرچے بہت جس کی دانشوری کے
گئے موسموں میں وہ پاگل رہا ہے

بنا پھر رہا ہے ترا آسماں جو
گزشتہ ہواؤں میں بادل رہا ہے

تری بیٹیوں نے جو اوڑھا ہوا ہے
یہی غم تری ماں کا آنچل رہا ہے

تمناؤں کو خود ہی وحشی کیا ہے
اوراب ان کا شور وشغب کھَل رہا ہے

⊙

تماشا یہ ہے سب کا سب بے سبب
تراشے ہیں ہم نے سبب بے سبب

تری بات ہوگی تو بولیں گے ہم
نہ کھولیں گے ہم اپنے لب بے سبب

فقط اک نظر ہم سے سرزد ہوئی
فسانے بنے ہیں عجب بے سبب

پسِ آئینہ بھی کوئی عکس تھا
غلط فہمیاں تھیں وہ کب بے سبب

سنا ہے تہِ دل سے نکلی دُعا
نہیں ٹالتا میرا رب بے سبب

کوئی ان کہی اس کے لفظوں میں تھی
وہ بولے گیا یوں ہی جب بے سبب

جو ہونا تھا، اچھا، برا، ہو گیا
کریں بحث کیوں اس پہ اب بے سبب

ابھی غم کی دیوار ٹوٹی نہیں
ابھی ہے یہ رقصِ طرب بے سبب

⦿

پاؤں تلے خوابوں کے شیشے ٹوٹ رہے ہیں
کیسے چال چلو گے، مہرے ٹوٹ رہے ہیں

پہلے والے کھڑے تھے پختہ بنیادوں پر
بعد میں بننے والے پہلے ٹوٹ رہے ہیں

سر پر آن پڑے جانے کب وقت کا خیمہ
لمحوں سے پیوستہ لمحے ٹوٹ رہے ہیں

کون کِسے پہچان کے باہیں پھیلائے گا
جسم رہے جاتے ہیں، چہرے ٹوٹ رہے ہیں

لازم چیزیں تو پیچھے ہی بھول آئے ہیں
غیر ضروری بوجھ سے کندھے ٹوٹ رہے ہیں

کیسے پہرہ دے گی خالی چار دواری
کنڈے، زنجیریں، دروازے ٹوٹ رہے ہیں

دستاروں پر قرض کی ابرق کب ٹھہرے گی
سیندھ لگی نسلوں میں، شجرے ٹوٹ رہے ہیں

نامحسوس طریقے سے بدلے ہیں مرکز
دھیان، مراقبے، چلّے، سجدے ٹوٹ رہے ہیں

جن تاروں سے سمتیں پوچھ رہی تھی دنیا
دائیں بائیں آگے پیچھے ٹوٹ رہے ہیں

پیڑ دہائی دیتے رہ جاتے ہیں اور پھل
وقت سے پہلے کچّے پکّے ٹوٹ رہے ہیں

نہ پوچھ سینوں میں برچھیاں کس طرح گڑی ہیں
ہم اپنے اپنے محاذ پر وقت سے لڑی ہیں

نجانے ٹوٹا تھا کب نصیبوں کا آبگینہ
کہ آسمانوں سے کرچیاں عمر بھر جھڑی ہیں

ہنسی ملی ہے ہمیں ہمارے لبوں سے چھوٹی
غموں کی مزدوریاں یہاں جیب سے بڑی ہیں

میں اپنی چادر کے کتنے ٹکڑے کروں گی آخر
گلی گلی میری بیٹیاں ننگے سر کھڑی ہیں

اُداس آنگن میں چپ کھڑی ماں یہ سوچتی ہے
مِری اُڑائی ہوئی پتنگیں کہاں اَڑی ہیں

وفا کے ننھے دِیوں کو آنچل کی اوٹ رکھنا
کہ آزمائش کی آندھیاں جھوم کر چڑھی ہیں

ابھی نجانے کہاں کہاں وار روکنے ہیں
محبتیں اب فریب کی سان پر چڑھی ہیں

ہمارے خوابوں کی روشنی ہے تری گلی میں
ہماری آنکھیں تری ہی دہلیز پر جڑی ہیں

کبھی تو شہرِ وصال سے بھی سلام آئے
دیارِ ہجراں سے تو بلاوے گھڑی گھڑی ہیں

⊙

اُس نے ایسے بنایا ہے اُلجھن مجھے
پھر نہ سلجھا سکا میرا ساجن مجھے

درز دریچے کی ضد میں نے کی ہی نہیں
سانس لینے کو کافی ہے روزن مجھے

میرا گھر کس قدر خوبصورت ہے ماں
کیوں نہیں بھولتا تیرا آنگن مجھے

اِک نگاہِ فروزاں کا احسان ہے
ان اندھیروں میں رکھتی ہے روشن مجھے

باندھتے وقت مجھ کو گماں تک نہ تھا
اس طرح توڑ دے گا یہ بندھن مجھے

پیاس شدت کے اس موڑ تک آ گئی
بوند میں بھی نظر آئے ساون مجھے

بیڑیوں سے نظر میری ہٹتی نہیں
دیکھتے ہی رہے میرے کنگن مجھے

میرے ہاتھوں میں گجرے مہکتے رہیں
سارے موسم پکاریں سہاگن مجھے

اس شاعرہ کے لہجے میں ایک ایسی سادگی، سچائی، حسن اور گہرائی ہے کہ غزل جیسی بے حد مشکل صنفِ سخن میں بھی، جہاں شاعروں کے پورے پورے دیوان گردِ راہ کی طرح گم ہو جاتے ہیں، اس کی بیشتر غزلیں آپ کو رُکنے، سوچنے اور داد دینے پر مجبور کرتی ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس نے اپنے لڑکی ہونے سے وہ ناجائز فائدہ نہیں اُٹھایا جو اکثر نئی شاعرات اُٹھا رہی ہیں.........۔ حمیدہ شاہین کی غزلوں میں جگہ جگہ ایسے اشعار ملتے ہیں جہاں وہ عورت کی تخصیص سے بالاتر ہو کر ایک فرد کی طرح اپنے تاثرات اور مشاہدات کو بیان کرتی ہے......۔

حمیدہ شاہین کی شاعری میں عمر، اس کی لاحاصلی، وقت، اس کی اپنے آپ کو منوا لینے کی قوّت اور ہونی کو مانتے ہوئے انہونی کی خواہش کا عمل بہت خوبصورتی اور سچائی سے چہرہ کشا ہوئے ہیں اور میرے خیال میں اس کی شاعری کا یہ پہلو سب سے زیادہ قابلِ ذکر اور زندہ رہنے والا ہے۔ یہی وہ پُل ہے جس سے گزر کر اسے اُردو شاعری کے اس سبزہ زار سے رشتہ آ رہا ہونا ہے جہاں زندگی اپنے پورے حسن اور قوت کے ساتھ موجود بھی ہے اور اس کی منتظر بھی۔

امجد اسلام امجد

(''دستک'' کے دیباچہ سے اقتباس)

شاعری میں بہت کم ایسا ہوا ہے کہ عورت نے اپنے عورت ہونے کا اعلان کیا ہو
Feminism کی مغربی تحریک نے اُردو میں بھی کچھ رنگ دکھائے ہیں اور کچھ شاعرات ایسی بھی ہیں جنہوں
نے اسے باقاعدہ اپنا موضوع بلکہ اپنی پہچان بنانے کی کوشش کی ہے مگر اس مشین کے سارے پرزے باہر
سے آئے ہیں' اسمبل یہاں ہوئی ہے اور اس پر Made in Pakistan کا لیبل لگا دیا گیا ہے۔
حمیدہ شاہین اپنے نسائی وجود کو ایک مابعد الطبیعاتی حوالے سے اُجاگر کرنے کی کوشش میں ہیں۔
یہ حوالہ بدیہی طور پر مشرقی ہی کہا جا سکتا ہے مگر یہ مسئلہ معاشرت کی سطح سے اوپر اٹھا دیا گیا ہے۔ اب یہ ایک
ایسے فرد کی داستان ہے جو اپنے باطن اور ظاہر کو سمجھنے کی معصوم کوشش کر رہا ہے۔ یہ کوشش ایک عمودی تبدیلی
ہے جو "دستک" کے بعد "دشتِ وجود" کی صورت میں رونما ہوئی ہے۔ یہ دستک کامیاب رہی کیونکہ اس
سے دروازہ ممکن ہے نہ کھلا' دیوار کا کچھ حصہ ضرور ٹوٹ گیا ہے۔
بے تکلف نہیں ہو سکا مجھ سے شاہینؔ چہرہ مرا
جب بھی نظریں ملیں' دوستانہ ہنسی ہنس دیا' چپ رہا
ابنِ آدم پر وہ لمحے آ چکے ہیں بارہا
جتنے دن آدم نے جنّت میں گزارے ہیچ ہیں
میرے ہر خلیے پر تیرا حق تسلیم
اپنی ذات کو بھی میری ملکیت لکھ
شہزاد احمد
MULTI MEDIA
AFFAIRS